عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی!!

ادارہ اشرفیہ عزیزیہ کا ترجمان

ماہنامہ غزالی

رمضان ۱۴۲۵ھ / نومبر ۲۰۰۴ء

جلد سوم: شمارہ: ۳

فہرست

فی شمارہ: ۱۵ روپے سالانہ بدل اشتراک: ۱۸۰ روپے

خط و کتابت کا پتہ: مدیر ماہنامہ غزالی

مکان نمبر: P-12 یونیورسٹی کیمپس

پشاور

ای۔میل: saqi_pak@hotmail.com

مولانا محمد اشرف سلیمانیؒ

انسان کی ضرورتیں (قسط:۱)

خطبہ ماثورہ:......سورۂ جمعہ کی ابتدائی چار آیتوں کی تلاوت کے بعد فرمایا...... میرے عزیز و اور دوستو! انسان محتاج ہے اور انسان کی بے شمار ضروریات ہیں۔ انسانوں کی ہر قوم اور ہر طبقہ، ملک اور فرد کی ضرورتیں ہیں۔ انسان کو اللہ نے ذاتی حیثیت سے محتاج اور فقیر پیدا کیا ہے۔ انسان کو ضرورت پڑتی ہے کھانے کی، پینے کی، سَترِ عورت (ستر ڈھانپنے کا کپڑا) کی۔ بہت سی ضروریات کو انسان جانتا ہے اور بہت سی ضروریات کو انسان جانتا بھی نہیں۔ جیسے اس دُنیا میں انسان کی ضروریات ہیں اسی طور پر انسان کی آخرت کی بھی ضروریات ہیں اور آخرت کی ضروریات اس دُنیا کی ضروریات سے بڑھ کر ہیں۔ اس دُنیا کی ضروریات کو تو تھوڑا بہت ہم جانتے ہیں لیکن آخرت کی ضروریات کو ہم نہیں جانتے اور نہ جاننے کی کوشش کرتے ہیں حالانکہ اُس وقت کی ضروریات بہت اشد ہوں گی۔ ہم سب ماں کے پیٹ سے اس عالم میں آئے ہیں۔ اگر بچہ ماں کے پیٹ میں تندرست اور توانا ہو اور خوب موٹا تازہ اور خوبصورت ہو لیکن پیدائش کے وقت کوئی ایسا حادثہ پیش آجائے کہ عین پیدائش کے وقت موت واقع ہو جائے تو ماں کے پیٹ میں خوبصورت اور توانا ہونا کچھ کام نہیں آئے گا۔ اگر آواز نہ نکالی ہو تو نام بھی نہیں رکھا جائے گا اور نہ ہی جنازہ پڑھا جائے گا۔ تو اس نو مہینے کے خوب پلنے کا کیا فائدہ؟ اسی طرح اگر اس دُنیا میں ہماری 99 سال یا 900 سال کی بھی عمر ہو تو آخرت کی زندگی کے ساتھ اس کی کیا نسبت ہے!۔ یہاں کی 50-60 سال کی جو زندگی ہے وہ آخرت کی نسبت بہت تھوڑی ہے۔ برزخ کا زمانہ نکالو۔ قیامت کا ایک دن 50 ہزار سال کے برابر ہے۔ اگر ایک شخص یہاں تخت طاؤس پر بیٹھا ہے، سونے کا لقمہ کھاتا ہے، اطلس اور کمخواب کے بستروں پر سوتا ہے، چاہتوں کے نقشے پورے ہو رہے ہیں لیکن اگر اس میں ایمان نہیں ہے تو اس کی مثال اس بچہ کی سی ہے جو ماں کے پیٹ میں خوب مزے سے پل رہا تھا لیکن جب پیدا ہوا تو مر گیا۔ جیسے اس دُنیا میں سانس والا بچہ کام کرے گا اسی طرح آخرت کے لحاظ سے موت کے بعد وہ شخص کام کرے گا جس کے اندر ایمان ہو۔ ایمان نہ ہو گا تو وہاں کی زندگی موت سے بدتر ہو گی۔ ایک شخص اپنی پوری زندگی فرعون، ہامان، نمرود اور کینیڈی کی طرح گزار رہا ہو تو مرتے ہی سیدھا جہنم میں پہنچے گا۔ کینیڈی اور جہنم میں ایک گولی کا فاصلہ تھا۔ ایسے لوگوں کا جو بغیر ایمان کے مرتے ہیں جب خاتمہ ہوتا ہے تو جہنم ان کا ٹھکانا ہوتا ہے۔ یہاں کی دولت و حکومت و راحت کچھ کام نہیں آتی۔ موت کے لمحہ کی جو

ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ اس دُنیا سے شاد کام چلے جائیں۔ جس وقت جا رہے ہوں ہمارے اندر ایمان اور ایمان کا وہ جذبہ ہو، یقین کی وہ دولت ہو، خدا کا وہ تعلق ہو کہ موت کا لمحہ تمام عمر کا شاندار اور خوشگوار لمحہ ہو۔ ایسی گھڑی ہو کہ خوش ہو رہے ہوں۔

بلا سے نزع میں تکلیف کیا ہے سکونِ خاطر بھی کم نہیں ہے
کسی سے ملنے کی ہیں اُمیدیں کسی سے چھٹنے کا غم نہیں ہے

فرشتے آ رہے ہوں، رحمتوں سے بھرپور آ رہے ہوں اور کہہ رہے ہوں۔ اے نیک بندے جلدی آ، اللہ تعالیٰ تیرا منتظر ہے، جنت اور جنت کی حوریں تیرے انتظار میں ہیں۔

یٰٓاَیَّتُھَاالنَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ o ارْجِعِیٓ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً o فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ o وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْo (الفجر)

(اور جو اللہ کے فرمانبردار تھے ان کو ارشاد ہوگا کہ) اے اطمینان والی روح تو اپنے پروردگار (کے جوارِ رحمت) کی طرف چل اس طرح سے کہ تو اس سے خوش اور وہ تجھ سے خوش پھر (ادھر چل کر) تو میرے (خاص) بندوں میں شامل ہو جا، اور میری جنت میں داخل ہو جا۔

فرشتے اور نیک روحیں استقبال کر رہے ہیں اور خدا تعالیٰ خود استقبال کر رہے ہیں۔ ایسی راحت اور ایسا چین نصیب ہوگا کہ جس نے تمام عمر فقر و فاقہ اور محتاجی میں گزاری ہو تو موت کی راحت اور خدا کے دیدار کا ایک پیمانہ تمام مصیبتوں کے پیمانوں کو شکست دے دے گا۔

خرم آن روز کزین منزل ویران بروم
راحت جان طلبم وزپئے جانان بروم

یعنی کتنا خوشی کا دن ہوگا کہ محبوب کے پاس جائیں گے اور اس ویرانہ (دُنیا) سے رخصت ہو جائیں گے۔ لقاءِ دوست یعنی خداوند تعالیٰ کے ملنے میں وہ لذت ہے جو دُنیا کی تمام نعمتوں کے ملنے میں نہیں

ہے۔ بلکہ خدا کی ایک آن کی ملاقات میں جو لذت ہے اس ملاقات پر دُنیا تو کیا، ہر شے قربان کی جاسکتی ہے۔ اگر موت کا وقت ہو اور خدا مل رہا ہو اور قبر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شبیہ مقدس سامنے آ رہی ہو تو ان لذتوں کے متعلق کیا خیال ہے۔ کیا ایسی موت راحت والی نہیں ہوگی جو کہ ہم کو اللہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملانے والی ہو۔ ایسی موت پر ہزاروں زندگیاں قربان کی جاسکتی ہیں جو انسان کو اللہ سے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملادے اور جنت میں پہنچادے۔ موت کے وقت کی سب سے اہم ضرورت انسان کا ایمان کے ساتھ دُنیا سے چلے جانا ہے۔ قبر کا وقفہ تنہائی کا وقفہ ہوگا جہاں کوئی بھی نہ ہوگا۔ قبر کو آپ مٹی کا ڈھیر سمجھتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ قبر یا تو جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔ ایسی تنہائی کی حالت میں ہمارے پاس کون ہوگا؟ اگر ایمان اور اعمالِ صالح کا دیا اور چراغ نہیں اور خدا کی محبت نہیں تو ایک ایک لمحہ کتنے کرب و مشکلات کا حامل ہوگا۔ جو مصیبت ملے گی وہ کتنی سخت ہوگی۔ قبر کی منزل کے بعد پھر حشر کا میدان ہے جہاں سورج نیزے کے برابر فاصلہ پر ہوگا، زمین تانبے کی ہوگی۔ اتنا روئیں گے کہ آنسو خشک ہو جائیں گے اور پھر خون کے آنسو روئیں گے۔ آہ و فغاں سے کچھ نہ ہوگا۔ خدا کے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہیں ہوگا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے سوا کوئی شفاعت نہیں ہوگی اور حوضِ کوثر کے سوا کوئی پانی نہیں ہوگا اور ایمان و اعمالِ صالحہ کے سوا کوئی مونس اور غمخوار نہیں ہوگا۔ اس سے آگے پھر پل صراط کی منزل ہے۔ سخت اندھیرا ہوگا، کچھ راہ نہیں دکھائی دے گی۔ وہاں بھی ایمان کی ٹارچ کی ضرورت ہوگی۔ اگر نورِ ایمان نہیں ہوگا تو انبوروں سے پاؤں کٹیں گے اور سیدھے دوزخ میں گر جائیں گے۔ وہاں بھی ایمان اور اعمال صالحہ کام آئیں گے۔ اگر پُل صراط کو پار کرلیا تو آگے جنت میں داخل ہوں گے۔

ہم پر تو صرف اس محدود عالم کی محدود ضروریات کھلی ہیں، آخرت کی ضروریات ہم پر نہیں کھلیں وہ انبیاء علیہم السلام پر کھلی ہیں۔ انبیاء علیہم السلام خدا سے لیتے ہیں اور انسانوں کو دیتے ہیں۔ انسان اپنی بے شمار ضرورتوں کو نہیں جانتا۔ ان ضروریات کو حاصل کرنا پڑتا ہے۔ یہاں ایک ایک ضرورت کے پورا کرنے کے لئے کئی سال لگتے ہیں۔ اور جب ایک ضرورت پوری ہوتی ہے تو اور ضرورتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔

زندگی کے ایک ایک مسئلے کو لیجئے اور اپنی خواہشات کو دیکھئے۔ ایک خواہش پوری ہوئی تو دوسری خواہش پیدا ہوگئی۔

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے　　بہت نکلے میرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

ان حاجات کے پورا کرنے کے دو طریقے ہیں۔ایک سیدھا طریقہ ہے اور ایک اُلٹا طریقہ ہے۔ ایک کے اپنانے سے دُنیا وآخرت کی جملہ ضروریات حل ہو جائیں گی۔

وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَ مِنْهَا جَآئِرٌ (النحل:۹)

اللہ کی طرف سیدھا راستہ جاتا ہے اور بہت سے راستے ٹیڑھے بھی ہیں۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْٓ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَ لَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا (الکھف:۱)

تمام خوبیاں اس اللہ کے لیے ثابت ہیں جس نے اپنے (خاص) بندے پر یہ کتاب نازل فرمائی اور اس میں ذرا بھی کجی نہیں رکھی۔

جو تمام ضرورتوں کا کفیل اور سنبھالنے والا ہے۔ٹیڑھے راستے لمبے ہوں گے اور سیدھا راستہ چھوٹا ہوگا۔سیدھا راستہ وہ ہے جو براہ راست جملہ مسائل اور مشکلات کو حل کر دیتا ہے۔کہہ تو دیتے ہیں کہ قرآن میں ہر مسئلہ کا حل ہے لیکن سمجھنے کے باوجود نہیں سمجھتے اور ماننے کے باوجود نہیں مانتے اور دیکھنے کے باوجود نہیں دیکھتے۔تم سب نے بار بار کہا﴿لا الہ الا اللہ﴾ مگر یہ قابو میں نہیں آتا۔اگر یہ قابو میں آیا ہوتا تو تمام مسائل حل ہوتے۔جیسے لا الہ الا اللہ جنت کی کنجی ہے(لا الہ الا اللہ مِفْتَاحُ الْجَنَّةِ)اسی طرح خدا کی قسم دُنیا کے مسائل کے حل کے لئے بھی لا الہ الا اللہ مفتاح ہے۔اللہ پاک اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کو ناقص نہ سمجھو ورنہ کافر ہو جاؤ گے۔اگر اسلام میں کوئی نقص جانا تو ایمان ختم ہو جائے گا۔

لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰه جملہ مسائل کا حل ہے۔آج ہم اپنی ضرورتوں کے لئے پریشان ہیں لیکن خدا سے اپنے مسائل کے حل کرنے کا راستہ ہی نہیں جانا۔لا الہ الا اللہ کیا ہے؟ تفصیلات میں جاؤ تو جتنی خدا نے کتابیں اُتاریں اور علوم اُتارے،محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ان سب کی تشریح اور لب لباب لا الہ الا اللہ ہے۔تو یہ کلمہ کتنا وقیع،قیمتی اور حقیقت کو لئے ہوئے ہے اور اس کے کئی پہلو ہوں گے۔

قلندر جز دو حرف لا الہ کچھ بھی نہیں رکھتا
فقیہ شہر قارون ہے لغت ہائے حجازی کا

لا الہ الا اللہ کے بول حقیقت کے ساتھ آجائیں تو جملہ کائنات کی چابیاں ہاتھ آجائیں گی۔

لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (اسی کے اختیار میں ہیں کنجیاں آسمان اور زمین کی)

یہ کلمہ اُم المفاتیح (چابیوں کی ماں) ہے۔لا الــہ الا اللہ میں کیسے مسائل کا حل ہے۔پہلی بات تو دیکھنے اور سوچنے کی یہ ہے کہ ضروریات حل کہاں سے ہوتی ہیں۔مثال کے طور پر مُجھے روٹی کی ضرورت ہے، میں جاتا ہوں اور ایک درخت کو کھودتا ہوں تو کیا روٹی ملے گی؟ پانی کی ضرورت ہے تو دیوار میں سوراخ کرتا ہوں تو کیا پانی ملے گا؟ یہ جگہیں روٹی اور پانی کے ملنے کی نہیں ہیں۔تو ہم کو سب سے پہلے یہ دیکھنا ہوگا کہ ضروریات کہاں سے پوری ہوں گی۔تو اللہ تعالیٰ نے ہم کو بتایا کہ ضرورتوں کے حل کی جگہ ایک اللہ کی ذات ہے۔اسی کو کہتے ہیں۔لا الہ الا اللہ ۔

ابھی آپ نے نماز پڑھی تھی۔اس میں آپ نے پڑھا تھا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ۔یعنی تمام نوال و جمال و کمال وعطا سب تیری ہی ذات میں ہے۔اس میں اس کی تردید ہے کہ یہ عالم خودبخود بنا ہے۔اور یہ اس اللہ کی شان ہے جو پالن ہار ہے تمام عالموں کا (رب العالمین)۔تمام جہانوں کو اللہ سے پلتا دیکھو۔وہ اپنی رحمانی اور رحیمی شان سے سب کو پال رہے ہیں۔

اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ۝ (الفاتحۃ:۴)

ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور آپ ہی سے درخواست اعانت کی کرتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ افضل الدعاء الحمد للہ ہے۔یعنی سب سے بہتر دعا الحمد للہ ہے۔کہ اے اللہ سب کچھ تُجھ میں ہے۔جمال وکمال ونوال وعطا کہیں بھی نہیں ہے صرف اکیلے تیری ذات میں ہے۔رزق خدا سے آئے گا۔

وَھُوَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ (وہ سب سے اچھا رزق دینے والا ہے۔)

علم خدا سے آئے گا۔اور جملہ مسائل خدا کی ذات سے پورے ہوں گے۔

اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ۝ (الفاتحۃ:۴)

عبدیت سے استقامت کا دروازہ کُھلے گا۔پوری زندگی کا حاصل کیا ہے۔

اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ۝ (الفاتحۃ:۴)

خدا سے جب سب کچھ ہوتا ہے تو پھر کیوں ادھر اُدھر جاتے ہو۔ایک بدو نے سُنا تھا کہ ہارون الرشید بہت بڑا بادشاہ ہے،اس کی مُلاقات کے لئے آیا اور تحفہ میں اپنے علاقے کا کڑوے پانی کا گھڑا بادشاہ کے لئے لایا۔اس کے ہاں سب سے بڑی نعمت وہ کڑوا پانی تھا۔بادشاہ کو علم ہوا، بلایا۔اس نے بادشاہ کو کہا کہ

تیرے موجوں مارتے ہوئے سمندر کے پاس گھڑا لایا ہوں، مدعا یہ تھا کہ اپنی شان اور استعداد کے مطابق ہدیہ لایا ہوں اور تو اپنی شان کے مطابق عطیہ دے دے۔ بغداد میں دریائے دجلہ بہتا ہے جس کا پانی صاف و شفاف ہے۔ نوکروں کو حکم دیا کہ اس کا پانی گراؤ اور اس گھڑے کو اشرفیوں سے بھر دو اور واپس جاتے ہوئے اس کو دجلہ کی طرف سے لے جاؤ اور اس کو دجلہ دریا دکھاؤ۔ اور اس کو بتاؤ کہ تمہاری یہ پونجی اس لئے قبول نہیں کی کہ ہم اس کے محتاج تھے بلکہ یہ ہماری شانِ عطا تھی۔ جس طرح اس نے گندے پانی کا گھڑا بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا تھا اسی طرح ہماری عبادات بھی ہیں کہ وہ سراسر ناقص اور اللہ کے دربار میں پیش کرنے کے قابل نہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا انعام واکرام ہے کہ وہ ان ناقص عبادتوں کو قبول کرتا ہے اور انعامات سے نوازتا ہے۔ ہم ان ناقص عبادت کو بھی بڑا کمال سمجھتے ہیں۔

منت منہ کہ خدمت سلطان ہمی کنی منت شناس ازو کہ بہ خدمت گزاشتت

یہ احسان نہ دھرو کہ ہم بادشاہ کی خدمت کر رہے ہیں بلکہ بادشاہ کا احسان مانو کہ اس نے اپنی خدمت کا موقع دیا۔

اسی طرح یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اُس نے ہم کو نیکی پر لگایا۔ یہ مثال اس لئے دی کہ جو تم کرتے ہو اس کی مثال اس بدو کے گھڑے کی طرح ہے۔

ایک دوسرا بدو ہارون الرشید سے سوال کرنے آیا کہ کچھ دے دے۔ ہارون بہت بڑا بادشاہ تھا۔ ایک دفعہ بادل کے ٹکڑے کو دیکھ کر ناز سے کہتا ہے کہ چلا جا اور جہاں چاہے برس تیرے برسنے سے جو بھی غلہ پیدا ہوگا اس کا خراج میرے خزانے میں آئے گا۔ ایک طرف اندلس اور دوسری طرف دیوارِ چین اور مغربی پاکستان تک اس کی حکومت پھیلی ہوئی تھی۔ ہم بھی کبھی دُنیا میں تھے۔ بڑا نیک اور پرہیز گار آدمی تھا سو رکعت نفل نماز روزانہ پڑھتا تھا۔ اس بدو نے دیکھا کہ ہارون الرشید مسجد میں بیٹھا ہوا ہے اور گڑگڑاتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے مانگ رہا ہے۔ پوچھا کہ بادشاہ سلامت کیا کر رہے تھے؟ کہا کہ مانگ رہا تھا۔ کہا کہ کس سے مانگ رہے تھے؟ کہا کہ اللہ میاں سے مانگ رہا تھا۔ تو کہا کہ جب تو اللہ تعالیٰ سے مانگ رہا ہے تو پھر میں کیوں براہ راست اللہ سے نہ مانگوں۔

مانگنے والا گدا ہے صدقہ مانگے یا خراج کوئی مانے یا نہ مانے میر و سلطان سب گدا

آدمی وہ ہے جس کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے اور جس کے اندر خدا کا تعلق نہیں خدا کی قسم کچھ نہیں

چاہے سونے کے تختوں پر بیٹھا ہو یا ہوا میں اُڑ رہا ہو۔

کسی میں کچھ نہ دیکھو سب کچھ اللہ تعالیٰ میں دیکھو۔ جیسے بدو نے دیکھا کہ بادشاہ بھی اللہ سے حاجتیں پوری کرا رہا ہے۔ سب کچھ خدا میں دیکھو اور خدا سے حاجت پوری کراؤ۔ اس کو کہتے ہیں سیدھا راستہ۔ غیروں میں دیکھنا اور غیروں کے پیچھے چلنا یہ ہے ٹیڑھا راستہ اور کفر والوں کا راستہ۔ سیدھا راستہ اختیار کیا تو یہاں کے مسائل بھی حل ہو جائیں گے اور آخرت کے بھی جملہ مسائل حل ہو جائیں گے۔

حضرت عمرؓ کے زمانہ میں مدینہ منورہ میں قحط پڑ گیا۔ حضرت عمرؓ نے غلہ کی فراہمی کے لئے انتظامات شروع کئے۔ مصر کے گورنر عمرو ابن العاص کو لکھا کہ غلہ بھجواؤ۔ انھوں نے کہا کہ غلہ کا اتنا بڑا قافلہ بھجوا دونگا کہ قافلہ کے اُونٹوں کا ایک سرا مصر میں ہوگا اور دوسرا مدینہ منورہ میں۔ اس زمانہ میں ایک بدو نے بکری ذبح کی اس کے اندر سے گوشت نہیں نکلا سب ہڈی ہی ہڈی نکلی۔ اس کو بہت رنج ہوا اور کہا کہ وامحمدا، جیسے کہ ابو طالب نے کہا تھا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کا ایسا مبارک چہرہ ہے کہ جس کے صدقے بارشیں ہوا کرتی ہیں۔ اس بدو نے رات کو خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بدو کو خواب میں کہا کہ عمرؓ سے کہو کہ تم تو بڑے عقلمند تھے تُمھیں کیا ہوا کہ سیدھی راہ کو اختیار نہیں کرتے۔ بدو نے حضرت عمرؓ کو پیغام پہنچا دیا۔ وہ پریشان ہوئے، صحابہ کرام کو اکٹھا کیا اور کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پیغام بھیجا ہے۔ کسی نے کیا کہا کسی نے کیا کہا۔ حضرت علیؓ نے کہا کہ آپ بھی دُنیا والوں کے طریقوں کو اختیار کرتے ہیں، آپ تو دُعا والے ہیں، دُعا کیوں نہیں فرماتے۔ بس چابی مل گئی دُعا کی، دو رکعت صلوۃ استسقاء پڑھی، اللہ سے دُعا کی، بارش ہوگئی اور قحط کو اللہ نے دور کیا اور غلہ وقت سے قبل وجود میں آیا۔

اللہ تعالیٰ سب کچھ کر سکتے ہیں سیدھا راستہ اللہ سے حاجتوں کے پورا کرانے کا ہے۔ نماز اور روزہ اللہ تعالیٰ سے لینے کے ذرائع ہیں۔ ہم نے غیروں کے طریقے اختیار کئے حالانکہ جو اصل جگہ اور منبع ہے ہم وہاں سے مسائل حل نہیں کراتے۔ تمہارے (سامنے بیٹھے ہوئے طلباء کے) بھی بہت مسائل ہیں اور اکثر ان مسائل کو پورا کرنے کے لئے بھوک ہڑتال کرتے ہو۔ میں آپ کو مسائل حل کرنے کا مختصر اور آسان نسخہ بتاؤں کسی کو کہو نہیں چوری چوری تین روزے رکھو اور پچھلی رات میں اُٹھ کر رو رو کر خدا سے مانگو اور کہو کہ اے اللہ فلاں کا دل تیرے اختیار میں ہے تو ان کی گردنوں کو جھکا سکتا ہے اور جو تو چاہے وہ ہو کر رہے گا، یقین اور اخلاص کے ساتھ مانگو اور اللہ کے ساتھ معاملہ رکھو۔ ہم نے ٹیڑھا راستہ اختیار کیا ہے۔ اللہ فرماتے ہیں روزہ میرے لئے

ہے اور میں ہی اس کی جزاء ہوں۔ روزہ دار کی افطار کے وقت دعا مقبول ہوتی ہے۔ ہم نے ٹیڑھی راہ اختیار کر لی یعنی بھوک ہڑتال اختیار کی۔ علامہ ابن ہشامؒ نے سیرت میں نقل کیا ہے کہ سب سے پہلے بھوک ہڑتال ابو لہب کی بیوی نے کی تھی۔ اور موجودہ زمانہ میں گاندھی نے کی۔ اگر خدانخواستہ بھوک ہڑتال کی وجہ سے موت واقع ہو جائے تو ایمان کی موت نہیں ہوگی بلکہ خودکشی ہوگی۔ ہمارے بچے نہیں جانتے اور غیروں کی نقالی کرتے ہیں۔ (باقی آئندہ)

☆☆☆☆☆

(باقی صفحہ ’۲۳‘ سے) دوسرا واقعہ ایک امریکی پروفیسر کا ہے۔ ایک دن ہمیں لیکچر دے رہا تھا موضوع تھا کہ زلزلوں اور ایٹمی دھماکوں کا صحیح مقام (Place) کیسے معلوم کیا جاتا ہے۔ باتوں باتوں میں اُس نے کہا کہ ہم نے ابھی تک صرف ایک ملک کے ایٹمی دھماکے کی صحیح جگہ معلوم نہیں کی اور وہ ملک پاکستان ہے۔ پھر اُس نے کہا کہ اس ملک کے ایٹمی دھماکے کی جگہ معلوم کرنے پر ۲۵ ملین ڈالر لگ چکے ہیں۔ جب لیکچر ختم ہوا تو سوال جواب کے دوران میں نے اُس سے پوچھا کہ یہ پیسے کس طرح لگے ہیں؟ تو اُس نے جواب دیا کہ یہ پیسے ہم نے ریسرچ میں لگائے ہیں اور یہ پیسے ہمیں اسرائیل کے زلزلوں اور ایٹمی دھماکوں کے محکمہ نے دیئے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ دھماکے تو ہندوستان نے بھی کئے تھے اُس پر کتنی ریسرچ ہوئی ہے؟ تو اُس نے کہا ہمیں تو پاکستان پر کام کرنے کے لئے فنڈز ملے تھے ہندوستان کے لئے نہیں۔ پھر ہنس کر کہنے لگا کہ واپس جا کر میں یہ ضرور پوچھوں گا اور تمھارا گلہ اُن تک پہنچاؤں گا۔ مزید کہنے لگا کہ ہم نے تو آپ کے دھماکے ریکارڈ کرنے کے لئے اسلام آباد میں مشین لگائی تھی لیکن وہ آپ لوگوں نے دھماکوں سے پہلے خراب کر ڈالی۔ میں نے ایٹمی توانائی کے محمد علی کی طرف دیکھا تو اُس نے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔

آخر میں چین کے صنعتی انقلاب کے بارے میں چند باتیں پیش ہیں۔ چین جس طرح دنیا پر چھا رہا ہے لگتا ہے کہ آئندہ دس سالوں میں چین جاپان سے آگے نکل جائے گا اور امریکہ کے مقابلے پر آ جائے گا۔ چینی اس وقت پوری توجہ اپنی اقتصادی حالت بہتر بنانے پر لگائے ہوئے ہیں لوگوں کو آہستہ آہستہ آزادی دے رہے ہیں۔ پہلے لوگ چین میں زمین نہیں خرید سکتے تھے اب حکومت نے محدود اجازت دے دی ہے۔ اسی طرح لوگ اپنا کاروبار بھی کرتے ہیں، ٹیکس نہ ہونے کے برابر ہے، لیبر سستی ہے، امن وامان ہے اس لیے جاپان اور امریکہ کے بڑے بڑے سرمایہ دار چین میں سرمایہ کاری کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے حکمرانوں کو بھی سمجھ بوجھ عطا فرمائے تاکہ اپنے ملک کی کچھ فکر کریں۔

سید سعید اللہ مازارہ

حفاظتِ قرآن مجید

جمع قرآن بعہد حضرت عثمانؓ پر اجماع صحابہؓ:

قرآن مجید کی موجودہ ترتیب نزولی ترتیب نہیں ہے۔ موجودہ ترتیب وہ ترتیب ہے جس کے مطابق قرآن کریم عالمِ غیب (لوح محفوظ) میں محفوظ تھا۔ نزول کے لحاظ سے قرآنی آیات وسورتیں موقع کے مطابق وقتاً فوقتاً اترتی رہیں اور ان کا نزول اس موجودہ ترتیب کے مطابق نہیں تھا۔ چنانچہ سورۃ العلق جو موجودہ ترتیب کے مطابق ۹۶ نمبر کی سورۃ ہے اور آخری پارے میں ہے لیکن نزول کے لحاظ سے مقدم ترین ہے۔ چونکہ نزولی ترتیب مقصود نہ تھی اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں کوئی اہتمام نہ فرمایا۔ اس کے برعکس موجودہ ترتیب کا اہتمام بروقت کیا گیا جس کی تفصیل پہلے بتائی گئی ہے۔

چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ہر آیت کی جگہ اس کی اپنی سورت میں متعین فرمائی تھی اس لئے ایسی کوئی روایت نہیں ملتی جس میں کسی صحابیؓ کے مصحف کی کسی سورت میں آیات کی تقدیم وتاخیر کا ذکر ہو۔ مگر سورتوں کی آپس کی ترتیب کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تصریح نہیں فرمائی تھی اس لئے صحابہ کرامؓ تلاوت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طرزِ عمل کو مدنظر رکھتے ہوئے سورتوں کی آپس میں ترتیب کا لحاظ تو رکھتے مگر کتابی شکل میں سورتوں کی آپس میں ترتیب کا اہتمام نہیں فرمایا تھا، جیسا کہ ابوبکر صدیقؓ کے عہدِ خلافت میں ہر ہر سورت کی تمام آیات تو اپنی اپنی سورت میں جمع کی گئی تھیں مگر سورتوں کی آپس میں ترتیب کا لحاظ نہیں رکھا گیا تھا۔

اس کے علاوہ مدنی دور کے اواخر میں قرآن مجید کی بعض جگہوں کا نزول ایک حرف سے زائد دو تین اور زیادہ سے زیادہ سات احرف تک ہوتا رہا۔ اس بناء پر ایسی روایات ملتی ہیں کہ صحابہ کرامؓ کے مصاحف کی بعض جگہوں میں حرف کا اختلاف اور بعض سورتوں کی ترتیب میں اختلاف تھا۔ اس قسم کی روایات کا سہارا لیتے ہوئے مستشرقین مسلمانوں کے دلوں میں یہ شک وشبہ پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ قرآن مجید جس کی جمع کی نسبت حضرت عثمانؓ کی طرف کی جاتی ہے پر صحابہ کرامؓ متفق نہ تھے۔ (اس کے لئے ملاحظہ ہو گولڈ تسر کی کتاب ''مذاہب التفسیر الاسلامی اور آرتھر جفری کی Materials for the history of the Holy Quran جو اس نے کتاب المصاحف کے ساتھ شائع کی ہے۔) اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست لینے والے اس پر متفق نہ تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن مجید یقینی طور ثابت نہیں۔

چنانچہ مندرجہ ذیل حقائق ،آیات کے نزول کے ساتھ متواتر طور پر صحابہ کرامؓ کے سینوں میں ان کے حفظ کے انتظام، آیات کے نزول کے ساتھ کاتبین وحی سے ان کی کتابت کے انتظام، اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہدِ خلافت میں باجماع صحابہ ہر ہر سورت کی آیات کا اپنی اپنی سورت میں جمع کرنے کو نظر انداز کرتے ہوئے قرآن مجید کی حفاظت "**وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ**" (اور ہم اس کے محافظ اور نگہبان ہیں) پر مسلمان کے پختہ عقیدہ کو متزلزل کرنے کے درپے ہیں۔ مگر علیم وخبیر خالق کو اِن اعداء اسلام کی ان سازشوں کا علم تھا اس لئے جمع قرآن بعہد حضرت عثمانؓ کے اوّل سے لیکر آخر تک پورے حالات ایسے طور پر پیدا فرمائے کہ ان کے شکوک وشبہات ڈالنے کے وہ تمام سہارے بے کار ہو جاتے ہیں جن سے وہ مسلمانوں کے ایمان ویقین کو متزلزل کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ مندرجہ ذیل عنوانات:

(ا) طریقۂ جمع قرآن بعہد حضرت عثمانؓ

(ب) سبب جمع قرآن

(ج) صحابہ کرامؓ کے اقوال افعال اور تاریخی واقعات

(د) اور قرآن وحدیث کی تصریحات کی روشنی میں ثابت کیا جائے گا کہ حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں جمع قرآن کی جو مہم تکمیل تک پہنچائی گئی وہ حضرت عثمانؓ کا اپنا انفرادی عمل نہ تھا بلکہ خلیفۂ راشد کی نگرانی میں صحابہ کرامؓ کا اہم ترین فریضہ تھا جو انہیں عرضۂ اخیرہ (آخری رمضان) میں پڑھی ہوئی قرأت کی مطابق جمع کرنا تھا جس سے ثابت ہو جائے گا کہ جس ترتیب اور حرف سے حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں قرآن مجید جمع کیا گیا صحابہ کرامؓ میں سے کسی نے بھی نہ کبھی اس کو غلط بتایا اور نہ ان کو کبھی اس کے کلام الٰہی ہونے میں شک وتردد لاحق ہوا۔

(ا) ا۔ جب احرف میں اختلاف کی بناء پر امت کے آپس میں افتراق کا خطرہ لاحق ہوا تو آپؓ نے ازخود اپنی طرف سے یہ کام شروع نہ کیا بلکہ آپؓ نے صحابہؓ سے فرمایا: **اجتمعوا یا اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم فاکتبو اللناس اماما** (ابن ابی داؤد: کتاب المصاحف:۲۱) "اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ تم جمع ہو جاؤ پس لوگوں کیلئے مصحف امام لکھو"۔

(۲) اور حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت عثمانؓ سے کہا کہ اس مسئلہ میں آپ کی کیا رائے ہے تو آپ نے فرمایا۔ **نریٰ ان نجمع الناس علیٰ مصحفٍ واحدٍ فلا تکون فرقة ولا یکون**

اختلاف قلنافتح مارائیت (الطبری: جامع البیان ا:۲۰۔ابن داؤد: کتاب المصاحف :۲۱) ''ہماری یہ رائے ہے کہ ہم ایک مصحف پرلوگوں کو جمع کریں تاکہ افتراق اوراختلاف نہ رہے۔ہم نے کہا آپ کی رائے صحیح ہے۔''

(۳) جب صحابہ کی طرف سے ایک مصحف پر امت کو جمع کرنے کا فیصلہ ہوا تو حضرت عثمانؓ نے نہ کسی خاص شخص سے یہ فرمایا کہ وہ اپنی یاد سے قرآن مجید جمع کرے اور نہ ایک شخص یا چند محدود افراد سے مصحف طلب کئے کہ ان سے مصحف لکھا جائے بلکہ عام اعلان فرمایا **من کان عندہ شییء من القراٰن فلیأت بہٖ** (ابن ابی داؤد: کتاب المصاحف :۲۲) ''جس شخص کے پاس قرآن مجید کا کوئی حصہ ہو وہ لائے'' اور پھر ہر لانے والے سے اس نوشتہ کے بارے میں یہ قسم لی۔ **لسمعت رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو املاہٗ علیک فیقول نعم** (ابن ابی داؤد: کتاب المصاحف :۲۴) ''کہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے حال میں سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تجھ پر اس کا اِملاء فرماتے رہے،تو وہ کہتا ہاں''۔

(۴) صحابہ کرامؓ کے ان لائے ہوئے صحائف سے جب مصحف لکھنے کا فیصلہ ہوا تو حضرت عثمانؓ نے اپنی طرف سے کسی کو منتخب نہیں فرمایا بلکہ صحابہ کرامؓ سے رائے لی کہ کتابت میں سب سے زیادہ ماہر کون ہے توانہوں نے فرمایا'' کاتبِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زید بن ثابتؓ ''۔پھر فرمایا کہ لوگوں میں فصیح ترین کون ہے انہوں نے کہا ''سعید بن العاص'' (کتاب المصاحف :۲۴)

(۵) جب صحابہ کرامؓ کے ان لائے ہوئے نوشتوں سے مصحف لکھا گیا تو اس کا مقابلہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد کے ان جمع شدہ صحف سے کیا گیا جو کسی خاص شخص کا انفرادی عمل نہیں تھا بلکہ صحابہ کرامؓ کا ایک اجتماعی عمل تھا۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو لکھے ہوئے نوشتوں سے جمع کئے گئے تھے، جن سے اس وقت تک مصحف میں آیات نہ لکھی جاتیں جب تک کہ لانے والا اس پر دو گواہ قائم نہ کرتا کہ یہ آیات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کاتب سے ہمارے روبرو اسی طرح لکھوائی ہیں۔ (الطبری: جامع البیان ا:۲۱)

گویا کہ مصحف امام دوبار صحابہ کرامؓ کے ان نوشتوں سے جمع کیا گیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو لکھے گئے تھے اور دوبار صحابہؓ کا اس پر اجماع ہوا، پہلی بار حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہدِ خلافت میں اور دوسری بار حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں۔

(۶) حضرت عثمانؓ کے عہدِ خلافت میں جمعِ قرآن کی مہم خلیفۂ راشد کی نگرانی میں خلافت راشدہ کے فرائض میں سے اہم ترین فریضہ ہونے پر اور کسی خاص شخص کا انفرادی عمل نہ ہونے پر دلیل حضرت علیؓ کا یہ

قول ہے "لَوْ وُلِّيتُهُ لَفَعَلْتُ مَافَعَلَ فِي المصاحف" (کتاب المصاحف:۱۲) "یعنی اگر میں خلیفہ ہوتا تو میں مصاحف کے بارے میں وہی کام کرتا جو حضرت عثمانؓ نے کیا۔" اور جب حضرت عثمانؓ نے مصاحف جلانے کا حکم فرمایا تو حضرت علیؓ نے فرمایا: لَوْلَمْ يَصْنعهُ عثمان لَصنَعْتُهُ "اگر حضرت عثمانؓ یہ کام نہ کرتے تو میں ضرور بالضرور اس کو کر دیتا"۔

اگر بالفرض اُس وقت حضرت عثمانؓ کی جگہ حضرت علیؓ خلیفہ ہوتے تو ان کی نگرانی میں اسی طرح سے یہ کارنامہ انجام تک پہنچایا جاتا اور جس طرح حضرت عثمانؓ نے مصحف امام اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے صحف کے ماسوا اور مصاحف کے جلانے کا حکم فرمایا تھا اسی طرح حضرت علیؓ بھی یہی حکم فرماتے جو آپؓ کے اس قول "لَفعلتُ مَافَعَلَ فی المصاحفِ" سے ظاہر ہے۔

(ب) مصحف امام سے پہلے کے مصاحف میں سورتوں کی ترتیب یا حرف کے اختلاف کا مسئلہ:

حضرت ابن مسعودؓ، حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت علیؓ وغیرہ ہم حضرات صحابہ کرام کے مصاحف کے اختلاف کے بارے میں جو روایات منقول ہیں ان حضرات میں سے کسی نے بھی نہ ایک دوسرے کے مصحف کو غلط بتایا اور نہ ایک دوسرے کی مخالفت کی کیونکہ یہ اختلاف یا تو حرف کا اختلاف تھا یا کسی سورت کی تقدیم وتاخیر کا اختلاف۔

حرف کا اختلاف اِس بناء پر تھا کہ قرآن مجید کا نزول سات احرف سے ہوا تھا۔ اسلئے کوئی مصحف بھی ایسے حرف سے نہ تھا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل نہیں ہوا۔ اور کسی سورت کی تقدیم وتاخیر اس بناء پر تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورتوں میں آیات کی ترتیب کی طرح ہر ہر سورت کی آپس میں ترتیب پر تصریح نہیں فرمائی تھی (السیوطی: الاتقان ۱:۶۱)۔ اس لئے ان سے اپنے اپنے مصحف میں کسی سورت کی تقدیم وتاخیر ہوسکتی تھی یہ اختلاف اس قسم کا نہ تھا جس سے قرآن مجید کی قرآنیت پر اثر پڑتا۔ البتہ مشیت الٰہی کا تقاضا یہ ہوا کہ عہدِ نبوی میں بھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رحلت فرمانے کے بعد قرنِ اوّل میں بھی ایسے حوادث پیش آئیں جس سے یہ بات ثابت ہوجائے کہ زمانۂ نزول سے لے کر ہمیشہ کے لئے امت کی برداشت سے یہ بات باہر ہے کہ وہ قرآن مجید کے کسی ایک کلمہ کو بھی ایسے حرف سے سُنے جس کے بارے میں ان کو یہ یقین حاصل نہ ہو کہ وہ اسی طرح پڑھتا ہے جس طرح کہ نازل ہوا ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں جب حضرت عمرؓ نے حضرت ہشامؓ سے اُس حرف سے سنا جس حرف سے انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ

وسلم سے نہیں سنا تھا تو آپؓ نے ان پر نماز میں جھپٹنے کا ارادہ کیا مگر نماز کے پورا کرنے تک انتظار فرمایا اور نماز کے ختم کرنے کے ساتھ ہی ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر کر دیا اور اس وقت تک ان کو نہیں چھوڑا جب تک کہ انہیں یہ تسلی نہیں ہوئی کہ وہ بھی نازل شدہ حرف سے پڑھتے ہیں۔(صحیح بخاری ۲:۷۴۷ طبع ۱۲۸۸ھ) اور حضرت ابی بن کعبؓ کو جب اس قسم کا معاملہ درپیش آیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایک کی تصویب فرمائی تو آپ اس وقت کی اپنی کیفیت یوں بیاں فرماتے ہیں۔ **فَسَقَطَ فِی نَفْسِی و لا اِذْ کُنْتُ فی الجاھلیۃ فضربَ فِی صَدْرِی فَنُضت عرقًا کانَّما انظر الی اللّٰہ فَرَقًا . فقال لی یااُبَیُّ ! اُرْسِلَ اِلَّی ان اقرءَ القراٰن علیٰ حرف** (الحدیث (العسقلانی: فتح الباری ۱۰:۳۹۸) ''یعنی میرے دل میں ایسا شک پیدا ہوا کہ جاہلیت میں بھی مجھے ایسا شک پیش نہیں آیا تھا اس شک کے آنے کی بناء پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سینہ پر ہاتھ مبارک مارا جس سے میں پسینہ پسینہ ہو گیا اور ڈر کے مارے میری حالت ایسی ہو گئی گویا میں اللہ تعالیٰ کی طرف دیکھ رہا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا اے ابی! میری طرف جبرئیل بھیجا گیا کہ میں قرآن مجید ایک حرف سے پڑھوں۔'' صحابہ کرامؓ کے یہ دو واقعات بطور نمونہ کے ذکر کئے گئے جن کے لئے ایسے مواقع پیش آنے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونا ممکن تھا مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد جب ایک دوسرے سے ایسے حرف سے سننے لگے جن کے بارے میں ان کو یہ یقین حاصل نہ تھا کہ یہ بھی نازل شدہ حرف سے پڑھتا ہے جس کی بناء پر ان کے آپس میں قتل وقتال کا خطرہ لاحق ہوا تو یہ ضروری سمجھا گیا کہ باجماع صحابہؓ عرصۂ اخیرہ رمضان میں پڑھی ہوئی قرأت کے مطابق مصحف لکھا جائے تاکہ تا قیامت آئندہ آنے والے لوگوں کے سامنے یہ بات ثابت ہو کہ امت نے قرآن مجید میں نہ کسی قسم کے تغیر کو برداشت کیا اور نہ کر سکے گی، اور یہ کہ صحابہ کرامؓ نے اسی قرأت اور ترتیب سے قرآن مجید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا اور اسی قرأت اور ترتیب سے قرن اوّل نے قرن ثانی تک اور ہر ہر قرن نے آنے والے قرن تک پہنچایا اور پہنچاتا رہتا ہے اور **''اِنَّا لَحٰفِظُوْنَ''** اور **''لَامُبَدِّلَ لِکَلِمَاتِہٖ''** کی پیش گوئی ثابت ہے اور اس کے کلام اللہ ہونے کی تصدیق کے بارے میں لوگوں پر حجت قائم ہے۔

(ج) قرآن مجید میں کسی قسم کے تصرف کو امت کی برداشت سے باہر ہونے پر شاہد عدل قائم کرنے کے طور پر اللہ تعالیٰ نے اس منسوخ التلاوت آیت **''الشیخ والشیخۃُ اذازنَیَا فارجُموھُما نکالاً مِّنَ اللّٰہِ''** کے حکم کی اہمیت کے بارے میں حضرت عمر الفاروقؓ کی زبان سے یہ کلمات کہلوائے **لَولاَ ان یقُول**

الـنـاس زاد عمر فی کتاب اللّٰہ عزوجلّ لکتبتُھا ''اگر مجھے یہ خطرہ نہ ہوتا کہ لوگ کہیں گے کہ عمرؓ نے اللہ تعالیٰ کی کتاب میں زیادتی کی تو میں ضرور اسکو قرآن مجید میں لکھ دیتا''۔

جب حضرت عمرؓ جیسا شخص جس کی رشد وہدایت پر وحی ناطق ہے اور جن کے اقتدار وسطوت کی مثال صفحۂ ہستی پر تاریخ پیش نہیں کر سکتی ایسے نازل شدہ حکم کا اضافہ قرآن مجید میں نہیں کر سکتا جو اہم اور باقی ہو مگر اس کی تلاوت منسوخ ہو چکی ہو تو دوسروں کے لئے اس میں کسی قسم کے تصرف کرنے کے امکان کا احتمال ہی نہیں رہ سکتا۔

۲۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ان کبار صحابہؓ سے ''جن کے مصاحف کی بعض سورتوں کی ترتیب اور بعض جگہوں میں حرف کے مختلف ہونے کی روایات سے قرآن مجید میں ان کے اختلاف کے ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔'' ایسے اقوال اور افعال صادر فرمائے اور ایسے خارجی واقعات وجود میں لائے جس نے ثابت کر دیا کہ تمام حضرات صحابہ کا مصحف امام پر اجماع ہوا تھا۔ چنانچہ حضرت ابی بن کعبؓ خود مصحف امام کے املاً کرنے والوں میں تھے۔ (ابن ابی داؤد: کتاب المصاحف: ۲۶) حضرت علیؓ نے مصحف امام کے بارے مین فرمایا تھا۔ ''لَوْ وُلِّیْتُہ لَفَعَلْتُ مَا فَعَلَ فِے المصاحف'' اور ''لولم یصنعه عثمانؓ لصنعتُہٗ''۔

اگر آپ حضرات کا مصحف امام پر اجماع نہ ہوتا اور وہ کسی دوسری ترتیب یا حرف کے قائل ہوتے تو حضرت ابی بن کعبؓ مصحفِ امام کے املاء کرنے والوں میں شامل نہ ہوتے اور نہ حضرت علیؓ ذکر شدہ کلمات فرماتے اور نہ خلافت سے پہلے اور نہ مسندِ خلافت پر متمکن ہونے کے بعد اس کی اشاعت پر خاموش رہ سکتے۔

۳۔ جنگِ صفین میں حضرت معاویہؓ کی فوج نے قرآن مجید کو جب نیزوں پر اٹھایا کہ یہ ہمارے اور تمہارے درمیان حکم ہوگا تو حضرت علیؓ نے یہی مصحف امام جمع شدہ بعہد حضرت عثمانؓ کو حکم بنانے کی دعوت کو قبول کرنا اپنے اوپر لازم سمجھا اور اس کے احترام کی خاطر حضرت معاویہؓ کے خلاف جنگ بندی کر دی۔ (الخضری: اتمام الوفا: ۲۲۲) جس سے ثابت ہوتا ہے کہ جزئی فرعی مسائل میں ان کا اختلاف رائے ہوتا تھا مگر سب کا اس پر اجماع تھا کہ قرآن مجید جس کی حفاظت کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وہی ہے جو ہمارے سامنے اب موجود ہے۔

اسی طرح کوفہ میں حضرت ابن مسعودؓ قرآن مجید کا درس دیا کرتے تھے آپ کے حلقۂ درس میں لاتعداد لوگ شامل رہتے ان کی کثرت کا پتہ اس بات سے چلتا ہے کہ جب عبدالرحمٰن بن اشعث بنوامیہ کے

خلاف کھڑے ہوئے تو ان کے ساتھ صرف قُرّاء کی تعداد چار ہزار تھی جن میں سے بعض حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے براہِ راست شاگرد تھے اور بعض ان کے شاگردوں کے شاگرد (الکوثری: مقالات: ۱۴) ان کی وجہ سے مشرق میں قرآن مجید کی درس وتدریس عام ہوئی۔ اگر حضرت ابن مسعودؓ مصحفِ امام کی ترتیب وقرأت کے خلاف کسی دوسری ترتیب اور قرأت والے مصحف کے قائل ہوتے تو مشرق میں ضرور ان کے مصحف کی نشرو اشاعت ہوتی جس کو صفحۂ ہستی سے مٹانا ناممکن ہوتا جیسا کہ فقہ حنفی کا مٹانا ناممکن ہے، جس کی بنیاد حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے فتاوی اور حضرت علیؓ کے فتاوٰ اور فیصلے (شاہ ولی اللہ: حجۃ اللہ البالغہ: ۳۲۸) ہیں جو مشرق میں رائج ہے۔

(د) اس کے علاوہ مصحفِ امام قرن اوّل میں لکھا گیا، جس کی افضلیت کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ خَیْرُ اُمَّتِیْ قَرْنِیْ (والمراد بقرنه صلى الله عليه وسلم فى هذا الحديث هم الصحابة: (نیل الاوطار ۸: ۲۰۹) (میری امت میں سب سے بہتر میرا قرن ہے)

اور باجماع صحابہ لکھا گیا ہے جس کی حجت کے بارے میں ارشاد مبارک ہے: اِنَّ اللّٰہَ لَا یَجْمَعُ اُمَّتِیْ عَلٰی الضَّلَالَۃِ (بیشک اللہ تعالیٰ میری امت کو گمراہی پر متفق نہیں کرتا) اور خلفائے راشدین میں سے تیسرے خلیفۂ راشد (حضرت عثمانؓ) کے عہدِ خلافت میں اس مہم کو انجام تک پہنچایا گیا۔ جن کے دینی کارناموں کے ممکّن (مستحکم) کرنے کے بارے میں قرآن مجید میں یہ پیش گوئی فرمائی گئی ہے۔

وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ وَلَیُمَکِّنَنَّ لَھُمْ دِیْنَھُمُ الَّذِی ارْتَضٰی لَھُمْ (الٰی) وَمَنْ کَفَرَ بَعْدَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفَاسِقُوْن

ترجمہ:۔ ”تم میں سے جو لوگ ایمان لائیں اور نیک عمل کریں ان سے اللہ وعدہ کرتا ہے کہ انہیں زمین میں حکومت عطا کرے گا جیسا کہ ان سے پہلے لوگوں کو حکومت دے چکا ہے اور جس دین کو ان کے لئے پسند کیا ہے اس کو ان کے واسطے قوت دے گا (الٰی) اور جو کوئی اس کے بعد بھی کفر کرے گا سو ایسے ہی لوگ نافرمان ہیں۔“

جو روایت علامہ سیوطیؒ نے الاتقان میں حضرت ابن مسعودؓ کے مصحف میں معوذتین کے نہ لکھے جانے اور ابن ابی داوٗد نے کتاب المصاحف میں مصحف امام کے لکھنے کے بعد ان کا اپنے مصاحف کے جلانے سے انکار کے متعلق نقل کی ہیں، یہ روایات اس وقت سے متعلق ہیں جبکہ ان کو یقین حاصل نہیں ہوا تھا

کہ جمع قرآن کا یہ کارنامہ مُمکّن (مستحکم) ہوجائے گا۔ جب ان کو اسکی (وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ) تمکین پر یقین حاصل ہوا تو آپ نے صحابہ کرامؓ کے ساتھ اجماع کیا۔ تمکین کے بعد آیت کی رو سے کسی مؤمن کے لئے مخالفت (وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ) کرنے کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔ چنانچہ اجماع کی حقیقت کے بارے میں حضرت شاہ ولی اللہ نے بتایا ہے: اجماع کا لفظ تم نے علماً دین کی زبان سے سنا ہوگا اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ تمام مجتہدین (اس طرح کہ ان میں سے) ایک بھی علیٰحدہ نہ رہے سب کے سب ایک زمانہ میں کسی مسئلہ پر اتفاق کرلیں کیونکہ یہ صورت نہ ہوئی ہے اور نہ ہوسکتی ہے بلکہ اجماع کے معنی یہ ہیں کہ خلیفہ (خاص) اہل الرائے حضرات سے مشورہ کرنے کے بعد یا بغیر مشورہ کئے ہوئے کوئی حکم دے اور وہ حکم نافذ ہوجائے یہاں تک کہ تمام عالم اسلامی میں شائع ہوجائے اور تمام اسلامی دنیا میں مُمکّن ہوجائے (یعنی مضبوطی کے ساتھ رواج پائے) کوئی اس کا مخالف نہ ہو۔ خلفاء راشدین کے بعض احکام ایسے ہوئے کہ تمام اسلامی دنیا میں مُمکّن نہ ہوئے وہ اجماع کی حد میں نہیں آتے۔'' (حاشیہ بر کشف الغطاً اردو ترجمہ از ازالۃ الخفاً لمونا محمد عبدالشکور)

جس طرح اللہ تعالیٰ نے استخلاف کا وعدہ پورا فرمایا اسی طرح دین کی بنیاد قرآن مجید کو کتاب کی صورت میں اس طرح سے تمکین دے دی کہ خلیفۂ راشد کے حکم سے ان کی نگرانی میں لکھا گیا جس کی سنّت کی پیروی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سنت کی طرح ضروری قرار دی اور اُنکے ہدایت یافتہ ہونے کی پیشن گوئی فرمائی

عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِين

ترجمہ: ''تم پر میری سنت کی پیروی لازم ہے اور خلفائے راشدین کی سنت کی پیروی۔ جو ہدایت کی راہ پر چلنے والے ہیں اور جن کو ہدایت دی گئی ہے۔''

سنّت اس فعل کو کہتے ہیں جو طریقۂ جاریہ ہو اور طریقہ کے جاری ہونے کا مطلب یہی ہے کہ اس کا رواج ہوجائے (حاشیہ کشف الغطاء)

اللہ تعالیٰ کے دین کے بارے میں خلفائے راشدین کے کارناموں کو مُمکّن کرنے اور اس کو ''اِرتضیٰ لہم'' (ازالۃ الخفاً ۱:۱۰۰) سے متصف کرنے خلفائے راشدین کے ہدایت یافتہ ہونے، قرن اوّل کی افضلیت اور ضلالت پر ان کا اجماع نہ ہونے پر قرآن وحدیث میں تصریحات اس لئے فرمائی گئیں کہ کسی کافر ملحد کے لئے

اس میں شک وشبہ ڈالنے کی، گنجائش نہ رہے کہ دین سے متعلق خلفائے راشدین کا کوئی کارنامہ ہدایت پر مبنی نہیں۔قرآن وحدیث نے ان کے ہر ایسے کارنامے کو جو مُمکّن ہو جائے وہی حیثیت دی جو حیثیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی فعل کی ہے،جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں۔''خلفائے راشدین کی خلافت کا زمانہ بقیہ زمانہ نبوت کا تھا۔یوں سمجھو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بعد نبوت ۲۳ برس اپنی عمر شریف کے اور ۳۰ برس زمانہ خلافت راشدہ کل ۵۳ برس دنیا میں رہے،فرق صرف یہ تھا کہ گویا زمانۂ نبوت مین تصریحاً زبان مبارک سے تمام باتیں فرماتے تھے اور زمانۂ خلافت میں ساکت بیٹھے ہوئے ہاتھ اور سر سے اشارہ فرماتے تھے۔''

وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ اَوَّلًا وَّاٰخِرً وَظَاھِرًا وَّ بَاطِنًا رَبَّنَا لَا تُؤَخِذْنَا اِنْ نَسِیْنَا اَوْاَخْطَأْنَا رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ط اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ط		(۱۷ ربیع الثانی ۱۴۰۲ھ)

☆☆☆☆☆

مجذوب سے تو نہ دنیا کا فائدہ ہوتا ہے نہ دین کا۔دین کا تو اس لیے نہیں کہ وہ تعلیم پر موقوف ہے اور تعلیم اس سے حاصل نہیں ہوتی،اور دنیا کا اس لیے کہ وہ دعاء سے ہوتا ہے اور مجذوب دعا کرتے نہیں۔کیونکہ وہ لوگ اکثر صاحب کشف ہوتے ہیں،ان کو معلوم ہو جاتا ہے کہ فلاں معاملے میں اس طرح ہوگا تو اس کے موافق دعا کرنا تحصیل حاصل ہے اور خلاف دعا کرنا تقدیر کا مقابلہ ہے۔البتہ وہ کشف کی بناء پر بطور پیش گوئی کے کچھ کہہ دیتے ہیں کہ فلاں معاملے میں یوں ہوگا۔سو اگر وہ نہ بھی کہتے تب بھی اسی طرح ہوتا،اس طرح ہو جانا کچھ ان کے کہنے کے سبب نہیں ہوا۔

ہاں سالک سے ہر طرح کا نفع ہوتا ہے کیونکہ وہاں تعلیم بھی ہوتی ہے اور دعا بھی ہوتی ہے۔مجذوب کی فکر میں پڑنے سے ضرر (نقصان) یہ ہوتا ہے کہ لوگ شریعت کو بیکار سمجھنے لگتے ہیں۔حاصل یہ کہ غیر مؤمن کو مقبول سمجھنا بالکل قرآن کا معارضہ ہے،لہذا جوگیوں اور جاہل فقیروں کے پیچھے پڑنا اپنی عاقبت خراب کرنا ہے

(وعظ فضل علم وعمل۔حضرت تھانویؒ)

☆☆☆☆☆

انجینئر قیصر علی

سفرنامۂ چین (قسط نمبر ۵)

ایک ہفتہ بعد ۱۵ نومبر کو ہم بیجنگ کی تین اور مشہور جگہوں (Summer Palane) گرمیوں کا محل، Forbitten city ممنوعہ شہر اور Thianman Square تھیامن میدان دیکھنے کے لیے گئے۔ Summer Palane چین کے آخری بادشاہوں Qing Dynasty چنگ سلاطین نے بنائی تھی۔ گرمیوں میں یہاں آتے اور یہیں سے حکومت کے کام سرانجام دیتے۔ یہاں پر ایک بہت بڑی مصنوعی جھیل ہے اور یہاں دنیا کا سب سے بڑا برآمدہ بھی ہے جس کی لمبائی میلوں میں ہے۔ جھیل کے گرداگرد چھوٹے چھوٹے ٹیلے ہیں جن پر مختلف عمارتیں بنی ہوئی ہیں۔ غالباً بادشاہ اور اُن کے مصاحب رات کو اُن میں آرام کرتے اور دن کو اس لمبے برآمدے میں جھیل کے کنارے دربار لگاتے تھے۔ ان جگہوں پر دیکھا کہ گھنٹی کی شکل کے کچھ لوہے کے ٹکڑے مختلف ترتیب سے لٹکے ہوئے تھے جو ہوا چلنے سے سریلی آوازیں پیدا کرتے۔ Forbidden City ممنوعہ شہر انہی چنگ بادشاہوں کے اصلی محلات تھے۔ چھوٹی بڑی بہت سی عمارات پر مشتمل یہ ایک پورا شہر ہے۔ اس کو ممنوعہ شہر اس لیے کہتے ہیں کہ بادشاہوں نے یہ علاقہ عوام کے لیے ممنوع قرار دیا تھا۔ کوئی آدمی ان محلات کے قریب بھی نہیں جا سکتا تھا۔ تمام محلات کی شکل ہمارے ہاں بنے ہوئے چائنیز ہوٹلوں سے ملتی جلتی ہے، تعمیر میں زیادہ تر لکڑی استعمال ہوئی ہے اور ساتھ ساتھ ماربل بھی کافی استعمال ہوا ہے۔ محلات اگرچہ صرف ۱۵۰ تا ۲۰۰ سال پرانے ہیں لیکن ان کی حالت بہت خراب ہے اور نہ ہی ان میں وہ نفاست ہے جو ہمارے ہاں مغل بادشاہوں کی عمارتوں میں ہے۔ محلات کے کچھ حصے آگ سے جلے ہوئے نظر آرہے تھے۔ گائیڈ نے ہمیں بتایا کہ ثقافتی انقلاب کے دوران لوگوں نے محلات کے بعض حصوں کو جلا دیا تھا جن کو بعد میں مرمت کیا گیا۔ چین میں ۱۹۶۰ کی دہائی میں برپا ہونے والا ثقافتی انقلاب (Cultural Revolution) کی بھی ایک دلچسپ تاریخ ہے۔ چین میں منگ بادشاہوں کی حکومت ۱۶۴۴ء میں چنگ بادشاہوں نے ختم کر دی اور پھر ان کی حکومت بھی ۱۹۱۱ء میں ختم ہوئی۔ ۱۹۴۹ء میں ماؤزے تنگ نے چین میں سوشلسٹ انقلاب برپا کیا۔ ۱۹۶۰ء تک ماؤزے تنگ اپنے ساتھیوں کے ذریعے حکومت کرتا رہا لیکن خود کوئی عہدہ نہ لیا۔ یہ انقلاب روسی انقلاب جیسا سخت نہیں تھا، لوگوں کو حقوق حاصل تھے، سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کو بھی حکومت میں شامل کیا گیا تھا۔ ۱۹۶۰ء میں ماوزے تنگ کو یہ احساس ہوا کہ حکومت پر اُس کی گرفت کمزور ہو رہی ہے اور جاگیردار و سرمایہ دار آہستہ آہستہ دوبارہ طاقت پکڑ رہے ہیں اور حکومت

بھی اُن کا ساتھ دے رہی ہے۔ اسی سال ایک دن اُس نے Thinmin Square جو دنیا کا سب سے بڑا گراونڈ ہے میں لاکھوں طلباء اور کسانوں کے اجتماع سے خطاب کے دوران کہا کہ حکومت کے اہلکار سرمایہ داروں سے مل چکے ہیں لہٰذا اب اس حکومت کو ختم کرنے کا وقت آ گیا ہے۔ ان لاکھوں طلباء اور کسانوں نے حکومت کے اہم مراکز پر قبضہ کر لیا اور ملک کے وزیر اعظم اور فوجی جرنیلوں سمیت ہزاروں حکومتی اہلکاروں کو چشم زدن میں زندگی کی بوجھ سے آزاد کر دیا۔ ماؤزے تنگ نے اعلان کیا کہ کسی سرمایہ دار اور جاگیردار کو نہ چھوڑا جائے، پورے چین میں ایک ہی دن میں ہزاروں لوگوں کو تہہ و تیغ کیا گیا۔ اُس نے یہ بھی اعلان کیا کہ ہم پرانے ظالم بادشاہوں کے ثقافتی ورثے کو نہیں مانتے ان کو بھی ختم کیا جائے لہٰذا لوگوں نے ان محلات کو آگ لگا دی بعض کو مسمار کر دیا۔ اس کو ثقافتی انقلاب کہتے ہیں۔ میں نے چینی لوگوں سے اس بارے میں پوچھا تو اُن میں سے ایک نے بتایا کہ ہم ماؤزے تنگ کی قدر کرتے ہیں، وہ ایک بڑا لیڈر تھا، چین آج اُسی کی وجہ سے ترقی کی راہوں پر گامزن ہے۔ لیکن وہ بھی ایک انسان تھا اور اُس سے بھی غلطیاں ہو سکتی ہیں، ہم اس چیز کو اُسکی ایک غلطی سمجھتے ہیں مگر اس کی وجہ سے اُس کی قدر و منزلت میں کمی نہیں کرتے۔

آج کے سفر میں میرا رفیق ایک چینی طالبعلم Mr. Beev تھا۔ سفر کے دوران ظہر و عصر کی نمازیں میں نے ایک کھلے میدان میں پڑھیں۔ باہر جاتے وقت میں وضو بنا لیتا اور جائے نماز اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ جہاں نماز کا وقت ہو جاتا اندازے سے قبلہ کا رخ معلوم کر کے نماز پڑھ لیتا۔ عصر کی نماز پڑھ کر میں نے نگاہ اُٹھائی تو کیا دیکھتا ہوں کہ لوگوں کی اچھی خاصی تعداد میرا تماشہ کر رہی ہے۔ کچھ لوگ میرے قریب آئے اور میرے ساتھ ہاتھ ملا کر ''بن لادن'' کہتے رہے۔ جس جگہ میں جاتا لوگ میرے گرد اکھٹے ہو کر ''بن لادن بن لادن'' کہتے۔ میرے ساتھ ہاتھ ملاتے اور اکثر تصویر کھینچوانے پر ضد کرتے۔ میں نے Mr. Beev سے کہا کہ آج میں تمھیں اپنی مذہب کے بارے میں بتاتا ہوں اور پھر اُس کو میں نے تفصیل سے سمجھایا۔ آخر میں اُس نے کہا کہ آخر مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کو کیسے مان لوں؟ میں نے اُسے کہا دیکھو اگر وہاں کچھ نہیں ہوا (نعوذباللہ) تو ہمارا کیا نقصان ہوا لیکن اگر کچھ ہوا تو تمھاری تو خیر نہیں۔ اُس نے کہا کہ ہاں یہ تو تم ٹھیک کہتے ہو۔ پھر کہنے لگا تمھارے مذہب میں باقی ساری باتیں ٹھیک ہیں کلمہ تو میں ابھی کہہ دوں گا، زکوۃ سے زیادہ پیسے تو میں خیرات میں دیتا ہوں، حج بھی ایک اچھی آؤٹنگ ہے، رمضان بھی سال میں ایک مہینہ ہے اور یہ صحت کے لیے اچھا بھی ہے لیکن ایک یہ نماز جو تم ہر وقت کانوں کو ہاتھ لگا کر کچھ کہتے رہتے ہو اور ایک

شراب چھوڑنا یہ میں نہیں کرسکتا۔ پھر کہنے لگا تمھارے مذہب میں گرل فرینڈ کے متعلق کیا تعلیم ہے۔ میں نے کہا آپ ایک وقت میں چار رکھ سکتے ہیں، اُس نے کہا Really یعنی سچ۔ میں نے کہا ہاں۔ بس آپ کو صرف چند آدمیوں کے سامنے نکاح کرنا پڑے گا اور اگر آپ کو پسند نہ ہو تو آپ یہ چھوڑ کر دوسری بھی رکھ سکتے ہیں۔ اُس نے کہا کہ بچوں پر کچھ پابندی ہے؟ میں نے کہا بالکل نہیں بلکہ پابندی پر پابندی ہے۔ میں نے اُس سے کہا اگر تم نماز نہیں پڑھ سکتے ہو تو خیر آہستہ آہستہ ہو جائے گا، شراب بھی تم آہستہ آہستہ چھوڑ سکتے ہو اور ہاں اگر تم یہ کرو گے تو گنہگار ہو گے لیکن اگر سچی توبہ کرلو گے تو پھر معاف ہو جائے گا۔ اُس نے کہا What a wonderful religion کیا شاندار مذہب ہے، کسی کے لیے راستہ بند نہیں، کہیں مایوسی نہیں ہے، میں ضرور تمھارا مذہب اختیار کروں گا، مجھے کچھ وقت دو میں تمھیں بذریعہ E-mail اطلاع کردوں گا۔

رات کو ہمیں ایک پروگرام ''ثقافتی شام'' (Cultural Evening) میں شرکت کرنا تھی۔ پروگرام دنیا جہاں کی خرافات اور واہیات پر مشتمل تھا۔ تمام ملکوں سے آئے ہوئے مہمانوں کو اپنے اپنے ملک کے گانے اور ڈانس وغیرہ پیش کرنے کا کہا گیا۔ پاکستان کی طرف سے ایٹمی توانائی کمیشن کے محمد زاہد اور محمد علی نے حصہ لیا جبکہ میں نے معذرت کرلی۔ پورے سفر اور ٹریننگ کے دوران میری یہ کوشش رہی کہ میں اپنے آپ کو ایسا پیش نہ کروں جس سے یہ لوگ اُکتا جائیں اور کل کو یہ کسی بھی داڑھی والے کو نہ بلائیں۔ میں حتیٰ الوسع کوشش کرتا رہتا کہ جہاں تک ہوسکے ان کے ساتھ گزارا کروں۔ اتنا پاگل کوئی بھی نہیں ہوتا کہ کسی کے ذاتی معاملات میں دخل اندازی کرے مجھے کس نے ڈانس گانے پر مجبور نہیں کیا۔ پروگرام کے دوران میں ذکر کرتا رہا اور جیسے ہی اعلان ہوا کہ پروگرام کا لازمی دورانیہ ختم ہوا میں اُٹھ کر چلا آیا۔

دو اور واقعات چین کے سفر میں ایسے ہیں جس کا تذکرہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ پہلا واقعہ ایک خاتون کا ہے جس کا تعلق قازقستان سے تھا۔ اپنا تعارف کراتے ہوئے اُس نے کہا کہ میرا تعلق قازقستان سے ہے اور میں ایک مسلمان ہوں۔ جیسے ہی اُس نے یہ کہا میرا جی چاہا کہ ایک نعرۂ تکبیر لگاؤں۔ اُس کا لباس اور چال ڈھال بالکل مسلمانوں کی طرح نہیں تھے اس کے باوجود اُس نے بڑے فخر سے اپنے آپ کو مسلمان کہا حالانکہ ہم تینوں پاکستانیوں نے اپنا تعارف کرتے ہوئے مسلمان ہونے کا بالکل تذکرہ نہیں کیا تھا۔ ایک دن میں نے اُس سے پوچھا کہ تمھارا نام لیزا ایل زریٹا کیسا نام ہے یہ تو مسلمانوں کا نام نہیں لگتا، تو اُس نے جواب دیا کہ والدین ہمارے نام مسلمانوں کی طرح رکھتے تھے لیکن سکول میں روسی ہمارے نام تبدیل کردیتے

۔اگر ہم نام تبدیل کرنے سے انکار کرتے تو ہمیں سکول میں داخل نہیں ہونے دیا جاتا۔ میں نے اُس سے پوچھا کہ کیا تمہیں کلمہ آتا ہے تو اُس نے سنا دیا۔نماز کے متعلق اُس نے بتایا کہ ۱۹۹۰ء میں روسیوں سے آزادی حاصل کرنے کے بعد نماز روزے کا رجحان بڑھ رہا ہے خود میں بھی کبھی کبھی نماز پڑھ لیتی ہوں لیکن مجھے نماز کا سبق پورا یاد نہیں۔رمضان کے بارے میں صرف چند سال پہلے پتہ چلا، اب تک دو رمضانوں کے روزے رکھ چکی ہوں۔حج کے بارے میں مجھے پوری معلومات نہیں ہمارے کچھ لوگ ایک بزرگ کے مزار پر جایا کرتے تھے، ہم اسی کو حج سمجھتے رہے۔اب پتہ چلا کہ سعودی عرب میں اللہ تعالیٰ کا گھر ہے وہاں جانا ہوتا ہے۔میں نے اُس سے مزید پوچھا کہ کیا آپ لوگ شراب پیتے ہیں تو اُس نے کہا کہ جو قرآن پڑھ لیتا ہے پھر وہ نہیں پیتا کیونکہ قرآن میں ہے کہ شراب نہیں پینا چاہیے۔میں نے تبلیغ والوں کے بارے میں پوچھا تو اُس نے جواب دیا کہ ہمارے لوگ خصوصاً نوجوان مساجد میں بہت کم جاتے ہیں اور تبلیغ والے لوگوں کو مساجد میں جمع کرتے ہیں۔اس کے مقابلے میں عیسائی مشنری کمپیوٹر اور انگریزی سکھانے کے بہانے ہماری نوجوان نسل کو عیسائی بنانے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔پھر مجھے کہا کہ آپ تبلیغ والوں سے کہیں کہ ان عیسائی مشنریوں کا کوئی توڑ کریں۔اُس نے مزید کہا کہ میرا بھائی بھی ان مشنریوں کے ہاتھ لگ گیا ہے اور وہ ان عیسائیوں کے ساتھ گرجے میں بھی جاتا ہے۔ہم اُس سے پوچھتے ہیں کہ کیا تو عیسائی ہوگیا ہے تو وہ بہت غصے میں کہتا ہے کہ نہیں میں مسلمان ہوں، کیا ہوا اگر میں انکے ساتھ گرجے میں چلا گیا۔وہ بتا رہی تھی کہ ہمارے لوگ اس بات کو بہت بُرا مانتے ہیں کہ کوئی ان سے کہے کہ آپ مسلمان نہیں ہیں۔میں نے پوچھا کہ کیا آپ کی حکومت ان عیسائی مشنریوں کو کچھ کہتی نہیں؟ تو اُس نے جواب میں کہا کہ نہیں اُنھیں مذہب سے کچھ غرض نہیں۔بتا رہی تھی کہ روسی انقلاب سے پہلے دنیا میں سب سے زیادہ مساجد قازقستان میں تھیں۔روسیوں نے انقلاب کے بعد تمام مساجد شہید کر دیں۔لوگ نہ اذان دے سکتے تھے نہ ہی نماز پڑھ سکتے تھے لیکن اب آہستہ آہستہ مساجد دوبارہ آباد ہو رہی ہیں۔میں نے اُس سے پوچھا کہ آپ مسلم برادری کو کیا پیغام دینا چاہتی ہیں تو اُس نے بتایا کہ میرا پیغام یہ ہے کہ نئی آزاد شدہ ریاستوں میں مساجد بنائی جائیں اور عیسائی مشنریوں کی روک تھام کی جائے۔ ہماری مسلم برادری کو چاہیے کہ ہماری راہنمائی کریں کیونکہ روسی ہمیں ہمارے مذہب سے بہت دور لے گئے ہیں۔

(باقی صفحہ '۱۰' پر)

حضرت ڈاکٹر فدا محمد مدظلہ

اصلاحی مجلس

کسی چیز سے تعلق ایک تو معلومات کی شکل میں ہوتا ہے اور ایک اعتماد، اعتقاد اور انقیاد کی شکل میں ہوتا ہے جبکہ ایک تعلق محبت کی شکل میں ہوتا ہے۔ ہمارے اناٹومی ڈیپارٹمنٹ میں ایک ہندو لیڈی ڈاکٹر ہوا کرتی تھی۔ اس نے ایف۔سی۔پی۔ایس کا امتحان بار بار دیا لیکن فیل ہو جاتی تھی۔ ایک دفعہ اس نے مجھ سے کہا کہ ڈاکٹر صاحب میں نے سنا ہے کہ آپ کے قرآن پاک میں بڑے بڑے وظائف ہیں ان سے آپ لوگ بڑے بڑے کام نکالتے ہیں، کوئی وظیفہ مجھے بھی بتا دیں۔ دنیا کا کام نکالنے کے لیے کافر کے لیے بھی وظیفہ مؤثر ہو جاتا ہے۔ اس کو ایک آیت بتا دی، اس نے پڑھنا شروع کر دی، پھر دوبارہ آئی اور کہنے لگی کہ مسلمانوں کے پاس بڑے بڑے تعویذ بھی ہوتے ہیں۔ میں نے سوچا کہ ہمارا کیا ہاتھ دُکھتا ہے، اسی آیت کو کاغذ پر لکھ کر دے دیا۔ اس نے امتحان دیا اور پاس ہوگئی۔ پانچویں یا چھٹی کوشش میں پاس ہوئی تھیں۔ ہدیے اور شکریے میں اس نے قرآن پاک کا ایک غلاف اور سو روپے بھیجے۔ میرا خیال ہے اس وقت سو روپے میں کوئی چار مرغیاں آتی ہوں گی، اب تو شاید چار سو میں آتی ہوں۔ تو میں اس سے کہا کہ میں کوئی پیشہ ور دم گر نہیں ہوں کہ شکرانے جمع کروں، آپ کا غلاف لے لیتے ہیں، اس نے کہا کہ آپ ضرور لیں گے میں نے کہا چلو اس مسئلہ کو دیکھتے ہیں۔ فتاویٰ دیوبند میں دیکھا اس میں لکھا ہوا تھا کہ مسجد کے لیے کسی ایسے کافر کا چندہ قبول کیا جا سکتا ہے کہ کل مندر کے لیے چندہ مانگنے نہ آئے اور دوسری بات یہ کہ اس کے انتظامی امور میں مداخلت نہ کرے، لہٰذا مدینہ مسجد کے لیے سو روپے لے لیے اور غلاف گھر میں رکھ لیا۔ خیر اس کے ان دنوں کے حالات دیکھ کر میں سوچتا تھا کہ یہ تو قرآن پاک کے اتنے قریب ہوگئی ہے کہ اس کی بھی مغفرت ہونی چاہیے۔ اس کو اتنا اعتقاد حاصل تھا۔ ایسے یہ مسئلہ سامنے آیا تو میرے ذہن آیا کہ اس پر تحقیق کی جائے کہ ایسے لوگوں کا خاتمہ کیسے ہوتا ہے کہ ایسی وابستگی قرآن پاک کے ساتھ رکھتے ہوں کہ کام بننے کا اعتقاد رکھ کر وظیفہ پڑھتے ہوں اور محبت بھی رکھتے ہوں۔ اس پر معارف القرآن کو پڑھتے پڑھتے اس میں ایک عجیب بات سامنے آئی، اس بات کو اس دفعہ کے ماہوار اجتماع میں شامل مولوی صاحبان جو دورہ تفسیر اور دورہ حدیث کیے ہوئے ہیں سے پوچھا اور ڈاکٹر سیار صاحب سے بھی پوچھا، ڈاکٹر سیّار کے ۸۰ نمبر ہوئے اور ان کے تیس تیس ہوئے۔ وجہ یہ ہے کہ قرآن کو عملی لحاظ سے غور سے نہیں پڑھا جاتا، صرفی نحوی لحاظ سے پڑھا جاتا ہے۔ ایمان اور اسلام ایک تفصیلی بحث ہے۔ ایمان دل کے عقیدے کو کہتے ہیں اور اسکی آخری حد عمل پر ہے، دل سے شروع ہو کر عمل پر آ کر ختم ہوتا

ہے۔تو اعمال کو کاٹتے کاٹتے یہاں تک کہ ارکان کو بھی کاٹ لیں، جیسے کسی آدمی کے ہاتھ کاٹ دیں دونوں پیر کاٹ دیں، دونوں کان کاٹ دیں تب بھی لوگ کہیں گے کہ آدمی ہے تو ایسے ہی سارے اعمال کے ترک کے بعد بھی ایمان باقی رہتا ہے۔اسلام اعمال کو کہتے ہیں اور اعمال سے شروع ہو کر دل پر ختم ہوتا ہے،اس کی آخری حد دل کا ایمان ہے لیکن ایمان کی قبولیت کے لیے کم ازکم جو اسلام شرط ہے وہ زبان سے اس بات کا اقرار کرنا کہ میں مسلمان ہوں، زبان سے اتنا عمل ضروری ہے جس سے اس کو مسلمانوں کی فہرست میں شامل کر کے اس کے ساتھ مسلمانوں جیسے معاملات ہوں گے، اس کا موت کے بعد جنازہ ساری چیزیں مسلمانوں جیسی ہوں، اس کے لیے اتنا عمل ضروری ہے کہ اس نے زبان ہلا کر یہ کہا ہو کہ میں مسلمان ہوں، اگر اتنا بھی نہیں ہے تو اس کے ساتھ مسلمانوں جیسے معاملات نہ ہونگے۔تو اس میں یہ اندازہ ہوا کہ ان لوگوں کا اسلام کے ساتھ تعلق فقط معلوماتی ہے، اب صرف پسندیدگی سے آگے بڑھ کر کر آدمی کو اعتبار آجائے کہ واقعی اس میں نجات ہے، واقعی آخرت میں جنت، دوزخ کا معاملہ آنے والا ہے اور ذات ذوالجلال کا وجود اور پیغمبروں کا برحق ہونا، کتابوں کا برحق ہونا، فرشتوں کا برحق ہونا قیامت کا برحق ہونا، اس پر اعتماد ہو جائے۔مطلب یہ ہے کہ اس کو ماننے کے نتیجے میں یہ بات حاصل ہو جائے۔جو کتنا گرا پڑا گیا گزرا مسلمان کیوں نہ ہو کم ازکم ثواب کی نیت سے راستے کے پتھر، کانٹا ہٹانا اس کو بھی نصیب ہوتا ہے، بے نماز ہوگا، شرابی کبابی، چرسی بھنگی ہوگا لیکن اتنا اس کو اسلامی مزاج نصیب ہوتا ہے کہ راستے سے پتھر ہٹا دیتا ہے کانٹا ہٹا دیتا ہے اس لیے کہ اس پر ثواب ملتا ہے۔ایک آپ کو لطیفہ سناؤں بڑا عجیب، ایک آدمی جادو سیکھ رہا تھا تو اس کے استاد نے کہا کہ جادو تب کامیاب ہوتا ہے کہ جب آپ چالیس دن تک کوئی نیکی نہیں کریں گے۔اس نے چالیس دن جادو کے عمل کو پکایا اور پکانے کے بعد جب اس کو کیا تو کامیاب نہیں ہوا، استاد کے پاس گیا اور کہا کہ میں نے تو عمل کیا لیکن کامیاب نہیں ہوا، تو استاد نے کہا کہ آپ نے چالیس دن میں کوئی نیکی ضرور کی ہے۔اس نے کہا میں نے کوئی نیکی نہیں کی، نہ نماز پڑھی ہے، نہ تلاوت کی ہے، نہ ذکر کیا ہے، کچھ بھی نہیں کیا ہے، اس نے کہا غور کرو، اس سے غور کرواتا رہا، اس نے کہا ایک بات مجھ سے ہوئی تھی کہ میں راستے سے گزر رہا تھا اور میں نے کچھ کانٹے وانٹے، پتھر وغیرہ راستے سے ہٹا کر راستہ صاف کیا تھا، اس نے کہا کہ اسی سے بیڑا غرق ہوا ہے اسی وجہ سے تو کامیاب نہیں ہوا ہے چالیس دن بغیر نیک عمل رہنا ہوتا ہے۔یہ لوگ جو سودی قرضہ لیتے ہیں، اگر نمازی ہوں تو ان پر بہت خراب حالات آتے ہیں بہت پریشان ہوتے ہیں۔اس دن ہمارا ایک چپڑاسی آیا کہ درخواست لکھی ہوئی ہے کہ دس مہینوں کی تنخواہ

کے برابر بینک قرضہ دے رہا ہے۔ اُس کی پوری داڑھی، نمازی آدمی ہے تو میں نے کہا معاف کرو بجائے اس کے اقصہ خوانی یا چوک یادگار میں کھڑے ہو کر بھیک مانگ لو یہ سودی قرضہ لینے سے بہتر ہے۔ یہ باقاعدہ فقہی مسئلہ ہے کہ جس آدمی پر اتنی تنگدستی آ گئی کہ اس کے بچے بے عزت ہو رہے ہیں، فاقے سے ہیں اور اسکے موت کے حالات آ رہے ہیں تو اب یہ گندگی کے ڈھیر سے مری ہوئی مرغی، خنزیر یا گدھے کا گوشت اٹھا کر کھائے یا بھیک مانگے؟ اس کے لیے بھیک مانگنا جائز اور ضروری ہے۔ یہ اخباروں میں آتا ہے کہ تنگدستی کے ہاتھوں اپنے آپ کو جلا دیا اور بال بچوں کو قتل کر دیا، تو ان نتھو خیروں کا کسی کے ساتھ دینی رابطہ ہی نہیں ہوتا۔ اس آدمی پر بھیک مانگنا جائز ہے اور اس سے اسے دو باتیں حاصل ہوں گی ایک اسکو جائز طریقے سے روزی حاصل کرنے کا ثواب ملے گا اور اس کے بال بچوں کی ضرورت پوری ہوگی اور دوسرے یہ کہ اس کو فنائے نفس حاصل ہوگا نفس ذلیل ہوگا۔ پہلے زمانے میں اصلاح کے لیے ایک طریقہ بھیک منگوانے کا تھا۔ مکتوباتِ صدی میں لکھا ہے کہ ایک شیخ نے مرید کو بھیجا کہ بھیک مانگو، وہ بھیک مانگتا رہا، لوگ اس کو کہتے ہٹا کٹا، مشٹنڈا، الو کا پٹھا بھیک مانگ رہا ہے۔ ہر جگہ اس کی بے عزتی ہوتی، ایک دن آیا اور کہنے لگا کہ حضرت صاحب! اب تو کوئی بھیک بھی نہیں دیتا ہے اور اتنی بے عزتی کرتے ہیں کہ کیا کہیں، اب میں کیا کروں، تو انھوں نے کہا کہ اب اپنی حیثیت کا پتہ چلا، اب کشکول اتار کر آؤ تو اگلی بات سکھائیں گے نفس کی بڑائی ٹوٹ گئی اب اللہ اللہ کرنا سکھائیں گے۔ آپ ڈریں نہیں ہم ایسے نہیں کراتے، تیمور صاحب کہتے ہیں کہ ہم تو ڈاکٹر بنیں گے، بڑی حیثیت ہوگی، ہم اسپیشلسٹ ہونگے اور ادھر یہ کہتا ہے کہ بھیک مانگنے کے لیے چلو۔ میں نے اپنے چپڑاسی سے کہا کہ بھیک مانگو یا دوسرا طریقہ بتاتا ہوں وہ کرو تو پھر سودی قرضہ لے کر کامیاب ہو جاؤ گے وہ یہ کہ سودی قرضہ لے کر نماز پڑھنا چھوڑ دو اور تارک الصلوۃ ہو جاؤ تو پھر تم پر سودی قرضہ راس آ جائے گا کیونکہ یہ میرا تجربہ ہے کہ تارک الصلوۃ کے عملی حالات کفار جیسے ہوتے ہیں۔ یہ مجھے دیکھ رہا ہے، اسے میں نے کہا صحیح سلامت صحت مند آدمی ہو، گاؤں میں تین چار جریب زمین اجارہ پر لے کر کاشت کرو۔ اس نے کہا کہ وہ تو جا کر میں لے لوں گا لیکن کاشت کے لیے اخراجات نہیں ہیں۔ میں نے کہا کہ اخراجات کے لیے میرے پاس پیر کے دن آنا۔ پیر گزر گیا لیکن نہیں آیا کیونکہ محنت نہیں کرنا چاہتے۔

تو دوسرا درجہ اعتقاد، اعتماد اور انقیاد کا ہوتا ہے۔ جب آدمی اس بات کو سمجھنے لگتا ہے کہ اس میں فائدہ ہے اس میں میری زندگی بنے گی اس میں میں کامیاب ہونگا تو اب اس عمل کو اختیار کر کے آگے بڑھتا ہے۔ عام

طور پر پورے اعتماد، اعتقاد اور انقیاد کا درجہ مسلمانوں کو حاصل نہیں ہے اور مجھے اور آپ کو بھی حاصل نہیں ہے کہ جب فائدہ کسی عمل کو چھوڑنے میں ہو رہا ہو تو ہم چھوڑنے کو تیار ہو جاتے ہیں، جب جھوٹ بولنے میں فائدہ نظر آرہا ہو تو اپنے دل کی طرف دیکھیں کہ آیا اس وقت ہم جھوٹ بولتے ہیں یا جھوٹ سے پرہیز کرتے ہیں، آدمی نمازی ہوگا، حاجی ہوگا، ذکر کرے گا، ختم کرے گا، تلاوت کرے گا لیکن دکان پر بیٹھے گا تو کہے گا کہ اس گاڑی کی پچاس ہزار پر بات ہوئی تھی میں نے نہیں دی، تین لاکھ پر بات ہوئی تھی میں نے نہیں دی، حالانکہ وہ پچاس ہزار رپے اور تین لاکھ روپے گاہک نے نہیں کہے ہوں گے۔ اس دن میں نے اپنے مالی سے کہا کہ گائے کے لیے شفتل خرید و، وہ گیا اور ایک جگہ دیکھ کر آیا، اور اس آدمی سے کہا کہ یہ سو روپے کی ہے۔ اس نے کہا نہیں میں نہیں دیتا ہوں۔ مالی نے پورا اندازہ لگایا، مجھے بھی لے گیا میں نے کہا دو سو روپے کی ہے، تو اس کے بعد اس نے کہا میں نے تو چار سو روپے میں جو فلانے پر بیچ دی ہے ہم نے کہا اچھی بات ہے اگر بیچ دی ہے تو اچھا ہوا تمھارا زیادہ فائدہ ہو گیا۔ مالی میرا بڑا ہوشیار ہے اس نے جا کر پوچھا تو اس آدمی نے کہا کہ جھوٹ بول رہا ہے میں نے نہیں خریدی سو روپے سے زیادہ نہ دینا۔ تو مالی نے کہا دیکھو اس نے یہ بات کہی ہے۔ اس پر بڑا اعتماد تھا کہ اچھا آدمی ہے، تو میں نے کہا کہ کاروبار میں لوگ ایسے ہی کرتے ہیں، یہ حج بھی کرتے ہیں اور ساتھ یہ بھی کرتے ہیں۔ تو اس عمل کرنے والے کو صدق یقین نہیں حاصل ہے لہٰذا اس کے اعمال کے انبار اور پہاڑ، صدق یقین والے کے مقابلے میں ریت کا تودہ ہیں۔

ہمارے مولانا احمد جان صاحب کے داماد نے ہمیں ایک واقعہ سنایا کہ مولانا صاحب ابھی نوعمر تھے، اس زمانے میں انگریزوں کا یہ آرڈر آیا کہ گندم ساری کھلم کھلا لاؤ گے، اس کو حکومت خرید رہی تھی یا کوئی بات ہو رہی تھی۔ اب زمیندار بے چارے کیا کریں حکومت تنگ کر رہی ہے، سستا خرید رہی ہے، انھوں نے اپنی گندم کو چھپالیا، کہتے ہیں کہ ہمارے والد صاحب نے نیچے گندم کی بوریاں رکھیں اور اوپر بھوسہ ڈال دیا۔ ہمارے مروت اور خٹک علاقے کی فصل ہی گندم ہوتی ہے وہ بھی زمینداروں کے ہاتھوں سے چلی جائے تو کیا کریں، تو کہتے ہیں کہ پولیس والے آئے اور کہا کہ تمھاری گندم کہاں ہے؟ میں نے دل میں کہا اب ہماری گندم لے جائیں گے ہم کیا کریں گے اور والد صاحب نے چھپائی ہوئی ہے تو کہتے ہیں کہ میری تربیت اور طبیعت ایسی تھی کہ جھوٹ نہ بول سکا میں نے کہا کہ اس بھوسہ کے نیچے پڑی ہوئی ہے۔ کہتے ہیں کہ اس پر پولیس والوں کا دل نرم ہو گیا انھوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور کہا کہ چھوڑ دو، اور چلے گئے، سچ بولنے پر اللہ تبارک وتعالیٰ

نے ہماری حفاظت بھی کی اور ہمارا کام بھی بنادیا حالانکہ جان لیوا حالات آجائیں تو آپ اس میں توریہ بھی کرسکتے ہیں۔حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ فرماتے ہیں کہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں جب گرفتاری کا حکم ہوا تو حاجی صاحبؒ تو ہجرت کر کے مکہ مکرمہ چلے گئے اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ گنگوہ آتے ہی گرفتار ہوگئے ۔کہتے ہیں کہ میری گرفتاری کے لیے جب آدمی آئے تو انھوں نے مجھے بھی پکڑلیا، کپڑوں اور ڈیل ڈول سے یہ ایسے نظر نہیں آتے تھے کہ یہ وہ آدمی ہیں جو ساری انقلابی تحریک کے امام ہیں۔اتنے بڑے عالم لیکن سادہ لباس میں ہوتے تھے کہ ان کو خیال نہیں آیا، تو انھوں نے کہا کہ مولانا قاسم نانوتویؒ کہاں پر ہیں؟ کہتے ہیں کہ جس جگہ کھڑا تھا اس جگہ سے کچھ قدم آگے آکر میں نے کہا، ابھی تو یہاں پر تھے، وہ میری بات کو سمجھ نہ سکے اور چلے گئے۔ میں تین دن کے لیے روپوش ہوگیا تین دن جب مکمل ہوگئے پھر واپس آگیا، تو لوگوں نے کہا کہ آپ کہاں گئے ہوئے تھے میں نے کہا کہ میں گرفتاری سے بچنے کے لیے نہیں گیا ہوا تھا بلکہ غارثور کی تین دن کی چھپنے کی سنت پر عمل کرنے کے لیے گیا ہوا تھا، تین دن ہوگئے اس لیے آگیا ہوں۔انگریزوں کا مشورہ ہوا کہ ان کو پکڑا جائے اور ان کو پھانسی دے دی جائے پھر ان کی ساری رپوٹیں مکمل ہوئیں کہ تحریک کرش ہوگئی ہے اب اگر ان کو پکڑتے ہو اور پھانسی کرتے ہو تو ان کی تحریک میں دوبارہ جان آجائیگی، تو انھوں نے کہا کہ کیا کریں؟ پھر اسی میں گنگوہی صاحبؒ کو بھی چھوڑ دیا اور قاسم نانوتویؒ کے بھی وارنٹ گرفتاری واپس کردیئے۔تو ایسے وقت بھی اپنے آپ کو بچانے کے لیے توریہ کا مسئلہ ہے کہ آپ ایسی بات کہیں جو جھوٹ نہ ہو لیکن آپ کی جان بچ جائے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سفر ہجرت جو شروع ہوا تو ایک جگہ مخالفین کو اندازہ ہوگیا کہ یہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، ابوبکر صدیقؓ کی شہرت زیادہ تھی ان کو پہچانتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شہرت نہیں تھی اور ان کو پہچانتے نہیں تھے تو انھوں نے کہا کے آپ کے ساتھ کون ہے تو انھوں نے کہا کہ میرے ساتھ آدمی ہے جو مجھے راستہ بتاتا ہے، حضرت ابوبکرؓ نے نیت کی کہ مجھے ہدایت کا راستہ بتاتا ہے جبکہ مخالفین سمجھے کہ سفر کرنے کے لیے انھوں نے اپنے ساتھ کوئی راستے کا واقف لیا ہوا ہے، اور ان کو اندازہ نہیں ہوا کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔حضرت ابوبکرؓ اتنی معیاری شخصیت کے طور پر مشہور تھے کہ ان کو اندازہ تھا کہ یہ جھوٹ نہیں بولیں گے۔ کہتے ہیں کہ اس جگہ پر میں نے توریہ کیا ہے اور جھوٹ نہیں بولا ہے،

خیر وہ ہماری بات چل رہی تھی اعتماد، اعتقاد اور انقیاد والی، تو سچ بات ہے مسلمان ہم ہیں لیکن ہمیں یہ بات حاصل نہیں ہے کیونکہ مفاد کی جگہ پر حکم ہمارے ہاتھ سے نکل جاتا ہے۔تیسری بات یہ کہی تھی کہ کسی کے

ساتھ واسطہ ہونا محبت کا، ہمارے جو سلاسل ہیں ان کا موضوع قلوب میں محبت پیدا کرنا ہے اور اس کے بعد کیفیت احسان پیدا کرنا ہے۔ کیفیت احسان کسے کہتے ہیں؟ ہم پر اللہ نے احسان بھی کیئے ہیں تو ہم بھی احسان کریں۔ احسان کے کتنے معنی لکھے ہوئے ہیں مفتی شفیع صاحبؒ نے؟ احسان کے دو معنی لکھے ہیں، حق سے زیادہ کسی کو دینا یہ ایک معنی ہیں یہ احسان عمل کا احسان ہے اور ایک کیفیتِ احسان ہے کیفیت احسان کے بارے میں حدیث جبرائیل ہے کہ جس میں حضرت جبرائیلؑ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ احسان کیا ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا کہ تو اللہ تعالی کہ ایسے عبادت کرے گویا تو اسے دیکھ رہا ہے اگر یہ نہ ہو تو گویا وہ تجھے دیکھ رہا ہے، حضرت مولانا صاحبؒ اشعار پڑھا کرتے تھے تو ان میں ایک یہ شعر پڑھا کرتے تھے

آتے ہیں خیالوں میں، نگاہوں میں، دلوں میں
پھر ہم سے یوں کہتے ہیں کہ ہم پردہ نشیں ہیں

اور اس پر ایسا نعرہ مارتے تھے کہ گویا چھت اڑ جائے گی، اور ہمارا کیا حال ہوا ہے کہ گوں کی بوری (عورت) نے بدحال کیا ہوا ہے آگے پیچھے چاروں طرف وہی نظر آتی ہے۔ حضرتؒ مجنون کے حالات سناتے تھے فرمایا کرتے تھے کہ اس پر ایک درجہ لیلی کی محبت میں ایسا آیا کہ اس نے اشعار میں کہا ہے **تمثلی لیلیٰ بکل سبیل** (ملتی ہے لیلی مجھ سے ہر راستہ پر)، اللہ تعالیٰ کی ذات ذوالجلال کے ساتھ تعلق کا ایسا حال ہوتا ہے گویا وہ نظر آتے ہیں اگر چہ یہ نظر آنا مجسم نہیں ہوتا کیونکہ اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہے جیسے نقشبندی حضرات کہتے ہیں کہ یہ نظر آنا بے چون وبچگون ہے۔ ایک یاد اور وابستگی دل میں جمتی ہے اور بدن میں بجلی کی لہروں کی طرح محسوس ہوتی ہے۔ اس طرح کی کیفیات ذکر میں محسوس ہوتی ہیں۔ حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کی مجلس میں ایک آدمی نے پڑھا۔

کشتگان خنجر تسلیم را ہر زماں از غیب جانے دیگر است

ترجمہ: جان سپردگی کے خنجر سے قتل شدہ لوگوں کے لیے ہر لمحے میں غیب سے نئی سے نئی زندگی ہے

جب انھوں نے یہ پڑھا، کشتگان خنجر تسلم را، تو ان پر موت طاری ہوگئی، جب پڑھنے والے نے کہا ہر زماں از غیب جانے دیگر است تو آپ زندہ ہو گئے۔ سماع کا اصول ہوتا ہے جس شعر پر حال طاری ہوتا ہے اس کو بار بار پڑھنا ہوتا ہے۔ جب انھوں نے اس کو بار بار پڑھا تو حضرت بختیار کاکیؒ پر یہ کیفیت بار بار ہونے لگی۔ آخر پڑھنے والے سے کہا گیا کہ کشتگان خنجر تسلیم پر تان توڑ دو اسی پر ان کی روح، روح آفرین کے سپرد

ہوگئی۔

ہماری یونیورسٹی کے مخلوط تعلیم کے ماحول میں مجازی محبتوں کے واقعات ہوتے رہتے ہیں۔سب جگہوں پر پھر پھرا کر آخر میرے پاس بھی آتے ہیں کہ شاید مسئلہ یہاں سے حل ہوجائے۔ٹیسٹ کے طور پر میں کہا کرتا ہوں کہ کوئی شعر سناؤ،اس کے شعر سنانے کے دوران اس کے قلب سے قلب ملائیں تو اگر اس پر واقعی محبت کا اثر ہوتو اس کے شعر پڑھنے کے دوران آدمی کا قلب باقاعدہ تپش اور حرارت محسوس کرتا ہے۔اس طرح کے حضرات جب مجلس میں آتے جاتے رہیں تو کچھ دنوں بعد اللہ تعالیٰ فضل فرماتا ہےاور قلب غیر اللہ کی فانی محبت سے فارغ ہوجاتا ہے چنانچہ ایک انجینئرنگ کے طالبعلم کچھ عرصہ مجلس میں شامل رہے ایک دن بندہ کو محسوس ہوا کہ اس قلب خالی ہوگیا ہے۔بندہ نے شعر سنانے کو کہا،اب کے جب اس نے شعر پڑھا تو کوئی تپش اور حرارت محسوس نہیں ہورہی تھی بندہ نے اسے کہا کہ جاؤ اب خالی ہوگئے ہواس پر وہ بھی ہنسا کیونکہ اس کو بھی اندازہ تھا کہ مصیبت اور بلا سے جان چھوٹ گئی۔

واقعی جب کسی کے ساتھ تعلق اور محبت ہوجائے تو ہر وقت اس کی معیت اور ساتھ ساتھ ہونا محسوس ہوتا ہے۔

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

آتے ہیں خیالوں میں،نگاہوں میں،دلوں میں
پھر ہم سے یوں کہتے ہیں کہ ہم پردہ نشیں ہیں

جب اس طرح کی معیت اور دھیان نصیب ہوجاتا ہے تو یہ کیفیتِ احسان ہے۔

☆☆☆☆☆

اِنَّ اللّٰہَ تَجَاوَزَعَنْ اُمَّتِیْ مَا حَدَّثَتْ بِہٖ اَنْفُسَھَا مَا لَمْ تَعْمَلْ اَوْ تَتَکَلَّمْ (بخاری،مسلم)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے معاف کیا میری امت میں سے ان (گناہ کی خواہشات وارادہ) کو جن کے بارہ میں نفس گفتگو کرتا ہے،جب تک کہ انسان اس کا کلام نہ کرے یا اس پر عمل نہ کرے۔

☆☆☆☆☆

دربارِ نبوی کی حاضری کا ایک عجیب واقعہ

یہ واقعہ جو نقل کیا جاتا ہے کوئی خواب یا افسانہ نہیں بلکہ صحیح اور سچا واقعہ ہے جو محدثانہ اسنادِ صحیح کے ساتھ نقل کیا گیا ہے۔ نویں صدی ہجری کے مشہور و معروف علامہ عبدالعزیز مکیؒ اپنے رسالہ (فیض الجود علی حدیث شیبتنی ہود) میں عارف باللہ عبداللہ بن سعد یافعیؒ کی کتاب ''نشر المحاسن'' کے حوالے سے نقل کرتے ہیں اور حضرت یافعیؒ فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ مجھے صحیح اسناد کے ساتھ پہنچا ہے اور اس زمانے میں بہت زیادہ مشہور ہوا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ عارف باللہ شیخ ابن الزغب یمنیؒ کی عادت تھی کہ ہمیشہ اپنے وطن سے سفر کر کے اوّل حج ادا کرتے اور پھر زیارت روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حاضر ہوتے تھے۔ حاضری دربار کے وقت والہانہ اشعارِ قصیدہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبین حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی شان میں لکھ کر روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پڑھا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ حسبِ عادت وہ قصیدہ پڑھ کر فارغ ہوئے تو ایک رافضی خدمت میں حاضر ہوا اور درخواست کی کہ آج میری دعوت قبول کیجئے۔ حضرت شیخ نے از روئے تواضع اور اتباعِ سنت دعوت قبول فرمائی۔ آپؒ کو اس کا حال معلوم نہ تھا کہ یہ رافضی ہے اور صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ کی مدح کرنے سے ناراض ہے، آپؒ حسب وعدہ اس کے مکان پر تشریف لے گئے، مکان میں داخل ہوتے ہی اس نے اپنے دو حبشی غلاموں کو اشارہ کیا جن کو پہلے سے سمجھا رکھا تھا، وہ دونوں اس ولی اللہ کو لپٹ گئے اور آپؒ کی زبان مبارک کاٹ ڈالی۔ اس کے بعد اس کمبخت رافضی نے کہا کہ جاؤ یہ زبان ابوبکر و عمر (رضی اللہ عنہما) کے پاس لے جاؤ جن کی تم مدح کیا کرتے ہو وہ اس کو جوڑ دیں گے۔

شیخ موصوف کٹی ہوئی زبان ہاتھ میں لیے ہوئے روضہ اقدس کی طرف دوڑے اور وجہ مبارک کے سامنے کھڑے ہو کر خوب روئے۔ جب رات ہوئی تو خواب میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپؐ کے صاحبین حضرت صدیق اکبرؓ اور عمر فاروقؓ بھی اس واقعہ کی وجہ سے غمگین صورت میں تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شیخ کے ہاتھ میں سے یہ کٹی ہوئی زبان اپنے دستِ مبارک میں لی اور شیخ کو قریب کر کے زبان ان کے مونہہ میں اپنی جگہ پر رکھ دی۔

یہ خواب دیکھ کر شیخ بیدار ہوئے تو دیکھتے ہیں کہ زبان بالکل صحیح وسالم اپنی جگہ پر لگی ہوئی ہے۔ دربار نبوت ﷺ کا یہ کھلا ہوا معجزہ دیکھ کر اپنے وطن واپس آ گئے۔

سالِ آئندہ پھر حج کے بعد مدینہ طیبہ حاضر ہوئے اور حسبِ عادت قصیدہ مدحیہ روضۂ اقدس کے سامنے پڑھ کر فارغ ہوئے تو پھر ایک شخص نے دعوت کے لیے درخوست کی۔ شیخ نے پھر توکلاً علی اللہ قبول فرمائی اور اس کے ساتھ مکان میں داخل ہوئے تو وہی پہلے دیکھا ہوا مکان معلوم ہوا۔ خداوند تعالیٰ کے بھروسہ پر داخل ہوئے۔ اس شخص نے نہایت اعزاز واکرام کے ساتھ بٹھایا اور پر تکلف کھانے کھلائے۔ کھانے کے بعد یہ شخص شیخ کو ایک کوٹھڑی میں لے گیا، وہاں دیکھا کہ ایک بندر بیٹھا ہوا ہے۔ اس شخص نے شیخ سے کہا کہ آپ جانتے ہیں یہ بندر کون ہے؟ فرمایا نہیں۔ اس شخص نے عرض کیا کہ یہ وہی شخص ہے جس نے آپ کی زبان قطع کی تھی۔ حق تعالیٰ نے اس کو بندر کی صورت میں مسخ کر دیا ہے یہ میرا باپ ہے اور میں اس کا بیٹا ہوں۔

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات ظاہرہ کے سامنے یہ کوئی بڑی چیز نہیں لیکن اس سے یہ امر اور ثابت ہوا کہ کہ رسالتِ مآب صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح روضہ اقدس میں زندہ تشریف فرما ہیں اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کا سلسلہ بھی جاری ہے۔ اس کے واقعات ایک دو نہیں سینکڑوں کی تعداد میں امت کے ہر طبقہ کو پیش آتے رہتے ہیں۔

ایک اور عجیب واقعہ

ابو عبد اللہ الجلاء رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ایک سال میں بہت مفلس فاقہ زدہ تھا۔ اتفاقاً مدینہ طیبہ کی حاضری نصیب ہوئی۔ میں روضہ اقدس کے سامنے حاضر ہوا، سلام کے بعد میں نے عرض کیا کہ میں فاقہ رسیدہ ہوں اور آج آپ ﷺ کا مہمان ہوں۔ یہاں سے فارغ ہو کر آیا تو رات کو سو گیا۔ خواب میں جمالِ مبارک کی زیارت سے مشرف ہوا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے مجھے روٹی عطا فرمائی۔ میں نے خواب ہی میں کھانا شروع کر دیا۔ کچھ حصہ کھایا تھا کہ آنکھ کھل گئی، دیکھتا ہوں کہ بچی ہوئی روٹی میرے ہاتھ میں ہے۔

(بشکریہ: ماہنامہ الصیانہ)

☆☆☆☆☆